شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ
جون ۲۰۱۳ء

ماہنامہ
میثاق لاہور

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کا پاکستان:
سیکولر یا اسلامک؟
امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید ﷾

داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن پر مشتمل

بیانُ القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول سُورۃ الفاتحہ وسُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
(چھٹا ایڈیشن) ——— صفحات: 360، قیمت 450 روپے

حصہ دوم سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
(چوتھا ایڈیشن) ——— صفحات 321، قیمت 400 روپے

حصہ سوم سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
(دوسرا ایڈیشن) ——— صفحات 331، قیمت 400 روپے

حصہ چہارم سُورۃ یُونس تا سُورۃ الکہف
(پہلا ایڈیشن) ——— صفحات 394، قیمت 450 روپے

★ عمدہ طباعت ★ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ★ امپورٹڈ پیپر

ملنے کے پتے

انجمن خُدام القرآن خیبر پختونخوا، پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: (091)2584824,2214495

مکتبہ خُدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (المائدۃ: ۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد : 62

شمارہ : 6

شعبان المعظم : 1434ھ

جون : 2013ء

فی شمارہ : -/25

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

مدیر

حافظ عاکف سعید

نائب مدیر

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

- اندرون ملک 250 روپے
- بھارت و بنگلہ دیش 900 روپے
- ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 1200 روپے
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1500 روپے

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36313131

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 3

کیا کراچی میں ایم کیو ایم کا سحر ٹوٹ رہا ہے؟ — ایوب بیگ مرزا

بیان القُرآن — 5

سورۂ یوسف (آیات ۶۹ تا ۱۱۱) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

تذکرہ و تبصرہ — 27

علامہ اقبال اور قائداعظم کا پاکستان:
سیکولر یا اسلامک؟ — حافظ عاکف سعید

تعمیرِ سیرت — 55

حَسَد: غارت گرِ ایمان جذبہ — عتیق الرحمٰن صدیقی

دعوتِ فکر — 63

منشیات کے استعمال کے نقصانات — مولانا محمد حنیف جالندھری

افکار و آراء — 71

معرکۂ عقل و وحی — راحیل گوہر

آدابِ معاشرت — 79

کھانے پینے کے آداب — پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

سیرت و سوانح — 83

امام شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ — عبدالرشید عراقی

حقوق و فرائض (۸) — 87

شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض — بیگم ڈاکٹر عبدالخالق

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

کیا کراچی میں ایم کیوایم کا سحر ٹوٹ رہا ہے؟

الیکشن ۲۰۱۳ء کا انعقاد ہو چکا۔ جب میثاق کا یہ شمارہ قارئین کے ہاتھوں تک پہنچے گا تو الیکشن کو کم از کم تین ہفتے گزر چکے ہوں گے۔ الیکشن کے نتائج اور ان کی شفّافیت کے حوالے سے خبریں، تبصرے اور کالم قارئین کی نگاہ سے گزر چکے ہوں گے، لہٰذا اس موضوع پر مزید بات کرنا اپنے قارئین کا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ البتہ کراچی کے حوالے سے ہم یہ کہہ دینا ضروری سمجھیں گے کہ ۱۹۸۵ء سے لے کر آج تک ہونے والے انتخابات کو کسی طرح الیکشن قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ وہ ایک جماعت کی طرف سے سلیکشن ہوتی چلی آ رہی ہے۔ ۲۰۱۳ء کے انتخابات سے پہلے ایک دل جلے کی یہ تجویز بھی سامنے آئی تھی کہ سندھ کے شہروں خصوصاً کراچی اور حیدر آباد کے عوام کو انتخابات کے دن تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر ایم کیوایم کے امیدواروں کو بلا مقابلہ اسمبلیوں کی رکنیت عطا کر دی جائے تو خواہ مخواہ کے کھکیڑ سے بچا جا سکتا ہے، اچھا خاصا خرچہ بھی بچ جائے گا۔ اگرچہ بحیثیت مجموعی اس مرتبہ بھی سلیکشن کا حق ایم کیوایم ہی کو دیا گیا لیکن اس مرتبہ معاملہ معمولی سا مختلف ہوا۔

جماعت اسلامی نے انتخابات سے بہت پہلے یہ بات اٹھائی تھی کہ اس مرتبہ کراچی میں حقیقی الیکشن کا انعقاد ہو، لہٰذا ووٹرز لسٹ کی چیکنگ ہو، کیونکہ ایک ایک گھر میں چھ چھ سو ووٹ کے اندراج کا معاملہ بھی سامنے آیا تھا۔ ہزاروں اور شاید لاکھوں ووٹوں کو کراچی ہی سے نہیں بلکہ سندھ سے باہر نکال دیا گیا تھا، انہیں واپس لایا جائے۔ پھر یہ کہ جنرل مشرف نے ایم کیوایم کے حق میں بعض حلقوں کو توڑ مروڑ دیا تھا، انہیں سیدھا کیا جائے۔ اور آخری بات یہ کہ کراچی کے ہر پولنگ اسٹیشن پر فوج متعین کی جائے۔ ان مطالبات کے حوالے سے سپریم کورٹ سے رجوع کیا گیا۔ سپریم کورٹ نے کم و بیش تمام مطالبات کو تسلیم کیا۔ فوج کو حکم دیا کہ وہ اپنی نگرانی میں گھر گھر ووٹرز کی تصدیق کرے اور انتخابات کے موقع پر فوج کا تعین ہو۔ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ اسٹیبلشمنٹ سمیت تمام حکومتی ادارے ایم کیوایم کے آگے ہتھیار ڈال چکے تھے۔

ووٹرز کی تصدیق اولاً تو ہو ہی نہ سکی اور جہاں کہیں ہوئی بھی تو وہ فوج کی بجائے ایم کیوایم کے کارکنوں کے زیر نگرانی ہوئی۔ انتخابات کے دن جہاں جہاں ایم کیوایم کو مخالفت کا سامنا تھا وہاں نہ انتخابی سامان پہنچا اور نہ انتخابی عملہ کو جانے کی اجازت دی گئی۔ بعض ایسی فوٹیج سامنے آئیں کہ ایم کیوایم کے کارکن ووٹوں کے بنڈلوں پر مہریں لگا لگا کر بیلٹ باکس میں ڈال رہے تھے۔ بہرحال جو تبدیلی سامنے آئی وہ یہ تھی کہ اس کے باوجود تحریک انصاف نے کراچی میں ایم کیوایم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور چھ لاکھ کے قریب ووٹ حاصل کیے، جب کہ جماعت اسلامی انتخابات کے روز دوپہر تک کراچی میں انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان کر چکی تھی۔ رات کو ٹیلی وژن چینلز ایم کیوایم کی جیت کا اعلان کر رہے تھے اور یہ جیت لاکھوں ووٹوں سے تھی۔

تحریک انصاف انتخابات کے دوسرے روز پھر میدان میں آئی اور تین تلوار کے مقام پر ایک بہت بڑا احتجاجی اجتماع کیا۔ یہ گزشتہ پچیس تیس سال میں کراچی میں کسی ایم کیوایم مخالف جماعت کا سب سے بڑا اجتماع تھا۔ ایم کیوایم خصوصاً قائد تحریک الطاف حسین اس احتجاج سے اپنے ذہن اور زبان کا توازن کھو بیٹھے۔ انہیں محسوس ہوا کہ کراچی کی زمین ان کے پاؤں کے نیچے سے کھسک رہی ہے۔ محترم نے راتوں رات حسب معمول ٹیلی فونک خطاب کیا، جس میں غیر آئینی، غیر اخلاقی بلکہ انتہائی غیر شائستہ زبان کا استعمال کیا۔ اس خطاب میں کراچی کو پاکستان سے الگ کرنے کی دھمکی بھی تھی اور تین تلوار پر احتجاج کرنے والوں کے تلوار ہی سے جسم چھلنی کرنے کی بات بھی شامل تھی۔ یہ آئین، قانون اور وطن سے غداری کا ارتکاب تھا، لیکن مجال ہے جو کسی حساس ادارے نے رتی بھر حساسیت کا مظاہرہ کیا ہو۔ تمام سکیورٹی اداروں نے باادب باملاحظہ ان کے ارشادات سماعت فرمائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسی وطن دشمن اور اشتعال انگیز تقریر کے بعد قانون نافذ کرنے والے اور سکیورٹی اداروں کا خاموش رہنا اور حرکت میں نہ آنا بھی ملک اور آئین سے غداری کے مترادف ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ جماعت اسلامی اور تحریک انصاف نے بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا ہے کہ انہوں نے کراچی کو یرغمال بنانے والے مافیا کو چیلنج کیا ہے، لیکن ابھی باقی سیاسی جماعتوں پر ایم کیوایم کا خوف مسلط ہے۔ کراچی سے ایم کیوایم کے ناجائز قبضہ کو چھڑانا تمام سیاسی جماعتوں کے مفاد میں ہے۔ آخر انہیں کس نے یہ حق دیا ہے کہ وہ دو کروڑ شہریوں کی زبانوں پر تالے لگائیں اور ان کے پاؤں زنجیروں سے باندھ دیں؟ نواز شریف کی نئی حکومت اگر کراچی

(باقی صفحہ 95 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ یوسف

آیات ۶۹ تا ۷۹

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا
اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ
فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا
عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ
وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا
سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ
رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ
اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ
اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ
ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾ قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا
يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا
نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا
عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

آیت ۶۹ ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ﴾ ’’اور جب وہ آئے یوسفؑ کے پاس تو آپؑ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس الگ بلا لیا اور اسے بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں‘‘

آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی بن یامین کو علیحدگی میں اپنے پاس بلایا اور ان پر اپنی شناخت ظاہر کر دی کہ میں تمہارا بھائی یوسفؑ ہوں جو بچپن میں کھو گیا تھا۔

﴿فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ’’تو اب مت غمگین ہونا اُس پر جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے چھوٹے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ نے اس اعلیٰ مقام تک پہنچایا ہے اور ہمیں آپس میں ملا بھی دیا ہے۔ چنانچہ اب ان بڑے بھائیوں کے رویے پر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب سختی کے دن ختم ہو گئے ہیں۔

آیت ۷۰ ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ﴾ ’’پھر جب آپؑ نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کرا دیا تو رکھ دیا پینے کا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں‘‘

یہ بادشاہ کا خصوصی جام تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا۔

﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ’’پھر ایک پکارنے والے نے پکار لگائی کہ اے قافلے والو! تم لوگ چور ہو۔‘‘

جب وہ قافلہ چل پڑا تو اسے روک لیا گیا کہ ہمارے ہاں سے کوئی چیز چوری ہوئی ہے اور ہمیں اس بارے میں تم لوگوں پر شک ہے۔

آیت ۷۱ ﴿قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾﴾ ’’انہوں نے پوچھا اُن کی طرف مڑ کر کہ آپ کی کیا چیز گم ہوئی ہے؟‘‘

آیت ۷۲ ﴿قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾﴾ ’’انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں بادشاہ کا جامِ زرّیں نہیں مل رہا اور جو اسے لے آئے گا اسے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ دیا جائے گا‘ اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔‘‘

آیت ۷۳ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾﴾ ’’انہوں نے کہا: اللہ کی قسم آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد

مچانے نہیں آئے اور ہم چوری کرنے والے ہرگز نہیں ہیں۔‘‘

آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم قحط کے مارے لوگ یہاں اتنی دور سے غلّہ لینے آئے ہیں‘ ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں۔ اُن کے اس فقرے اور اندازِ گفتگو میں بڑی لجاجت پائی جاتی ہے۔

آیت ۷۴ ﴿قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝۷۴﴾ ’’انہوں (شاہی ملازمین) نے کہا کہ پھر اس (چور) کی کیا سزا ہو گی اگر تم لوگ جھوٹے ہوئے؟‘‘

یعنی اگر تم لوگ اپنے اس دعوے میں جھوٹے نکلے اور تم میں سے ہی کوئی شخص چور ہوا تو پھر اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

آیت ۷۵ ﴿قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۷۵﴾ ’’انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں وہ (جامِ زرّیں) پایا جائے وہ خود ہی اس کا بدلہ ہو گا۔ ہم تو اسی طریقے سے ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔‘‘

انہوں نے کہا کہ ہاں اگر ایسا ہوا تو پھر جس کے سامان میں سے آپ کا جام نکل آئے‘ سزا کے طور پر آپ لوگ اسے اپنے پاس رکھ لیں‘ وہ آپ کا غلام بن جائے گا۔ ہمارے ہاں تو (شریعتِ ابراہیمی کی رو سے) چوری کے جرم کی یہی سزا رائج ہے۔

آیت ۷۶ ﴿فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۗءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ﴾ ’’تو آپؑ نے (تلاشی) شروع کی اُن کے بوروں کی اپنے بھائی کے بورے سے پہلے‘ پھر آپؑ نے نکال لیا وہ (جام) اپنے بھائی کے سامان سے۔‘‘

﴿كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ﴾ ’’اس طرح سے ہم نے تدبیر کی یوسف کے لیے۔‘‘

یہ ایک ایسی تدبیر تھی جس میں توریے کا سا انداز تھا اور اس سے مقصود کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس پورے خاندان کو آپس میں ملانا تھا۔ اس تدبیر کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی طرف سے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اللہ نے آپؑ کے لیے یہ ایک راہ نکالی تھی۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری تھی تا کہ کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا نہ ہو کہ ایسی تدبیر اختیار کرنا تو شانِ نبوت کے منافی ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار بھی

مطلق ہے اور اس کا علم بھی ہر شے پر محیط ہے۔ اللہ کو تو علم تھا کہ یہ عارضی سا معاملہ ہے اور اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

﴿مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ﴾ ’’آپؑ کے لیے ممکن نہیں تھا کہ اپنے بھائی کو روکتے بادشاہ کے قانون کے مطابق سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔‘‘

لفظ ’’دین‘‘ کی تعریف (definition) کے اعتبار سے قرآن کی یہ آیت بہت اہم ہے۔ یہاں دِيْنِ الْمَلِكِ (بادشاہ کے دین) سے مراد وہ نظام ہے جس کے تحت بادشاہ اس پورے ملک کو چلا رہا تھا‘ جس میں بادشاہ اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) کا مالک تھا۔ اس کا اختیار مطلق تھا‘ اس کا ہر حکم قانون تھا اور پورا نظامِ سلطنت و مملکت اس کے تابع تھا۔ اس حوالے سے ’’دین اللہ‘‘ کی اصطلاح بہت آسانی سے واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر اللہ کے اقتدار (Sovereignty) اور اختیارِ مطلق کو تسلیم کر کے پورا نظامِ زندگی اس کے تابع کر دیا جائے تو یہی ’’دین اللہ‘‘ کا عملی ظہور ہو گا۔ یہی وہ کیفیت تھی جو ’’دین اللہ‘‘ کے غلبے کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوئی تھی اور جس کی گواہی سورۃ النصر میں اس طرح دی گئی ہے:
﴿اِذَا جَاۗءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝۱ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝۲﴾۔ اسی طرح آج کا دین جسے عوام کی فلاح کا ضامن قرار دیا جا رہا ہے ’’دین الجمہور‘‘ ہے۔ اس دین یا نظام میں قانون سازی کا اختیار جمہور یعنی عوام یا عوام کے نمائندوں کو حاصل ہے‘ وہ جسے چاہیں جائز قرار دیں اور جسے چاہیں ناجائز‘ اور یہی سب سے بڑا کفر اور شرک ہے۔

بہر حال اس وقت مصر میں بادشاہی نظام رائج تھا جس کو حضرت یوسف علیہ السلام بدل نہیں سکتے تھے‘ کیونکہ آپؑ بادشاہ تو نہیں تھے۔ آپؑ کو جو اختیار حاصل تھا وہ اسی نظام کے مطابق اپنے شعبے اور محکمے کی حد تک تھا جس کے وہ انچارج تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے لیے یہ تدبیر نکالی۔ آپؑ کے بھائیوں سے پہلے یہ اقرار کرا لیا گیا کہ جس کے سامان سے وہ پیالہ برآمد ہو گا‘ سزا کے طور پر اسے خود ہی غلام بننا پڑے گا اور اس طرح حضرت یوسفؑ کے لیے جواز پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک سکیں۔

﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝۷۶﴾ ’’ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہتے ہیں۔ اور ہر صاحبِ علم کے اوپر کوئی اور صاحبِ علم بھی ہے۔‘‘

یعنی علم کے لحاظ سے علماء کے درجات ہیں۔ ہر عالم کے اوپر اس سے بڑا عالم ہے اور یہ درجات اللہ تعالیٰ کی ذات پر جا کر اختتام پذیر ہوتے ہیں' جو سب سے بڑا عالم ہے۔

آیت ۷۷ ﴿قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ''انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔''

برادرانِ یوسف کی طبیعت کا ہلکا پن ملاحظہ ہو کہ اس پر انہوں نے فوراً کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے یہ بعید نہیں تھا' کیونکہ ایک زمانے میں اس کے ماں جائے بھائی (یوسفؑ) نے بھی اسی طرح کی حرکت کی تھی۔

﴿فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ﴾ ''اس کو چھپائے رکھا یوسفؑ نے اپنے جی میں اور ان پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔''

﴿قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾﴾ ''آپؑ نے (دل ہی دل میں) کہا کہ تم بجائے خود بہت بُرے لوگ ہو' اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔''

انہوں نے آپؑ پر بھی فوراً چوری کا بے بنیاد الزام لگا دیا' مگر آپؑ نے کمالِ حکمت اور صبر سے اسے برداشت کیا اور اس پر کسی قسم کا کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔

آیت ۷۸ ﴿قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ﴾ ''وہ کہنے لگے: اے عزیز (صاحب اختیار)! اس کا والد جو ہے بہت بوڑھا ہے' تو آپؑ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں۔''

﴿اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾﴾ ''ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ بڑے ہی نیک انسان ہیں۔''

یہ صورتِ حال ان لوگوں کے لیے بہت پریشان کن تھی۔ باپ کا اعتماد وہ پہلے ہی کھو چکے تھے۔ اس دفعہ اللہ کے نام پر عہد کر کے بن یامین کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اب خیال آتا تھا کہ اگر اسے یہاں چھوڑ کر واپس جاتے ہیں تو والد کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ چنانچہ وہ گڑگڑانے پر آ گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی منت سماجت کرنے لگے کہ آپؑ بہت شریف اور نیک انسان ہیں' آپؑ ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ اپنے پاس رکھ لیں' مگر اس کو جانے دیں۔

آیت ۷۹ ﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾﴾ ''یوسفؑ نے فرمایا: اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ہم پکڑ لیں کسی اور کو اُس شخص کے بجائے جس کے پاس سے ہم نے اپنا مال برآمد کیا ہے' یقیناً اس صورت میں تو ہم ظالم ہوں گے۔''

آیات ۸۰ تا ۹۳

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ
اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ
الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْۤا
اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا
لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ
وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ
وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوْا
تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾
قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ
اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا
يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا
الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ
وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا
فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ
قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ
اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا

لَخٰطِئِيْنَ۝ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ۝

آیت ۸۰ ﴿فَلَمَّا اسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ﴾ ''پھر جب وہ یوسفؑ سے مایوس ہوگئے تو علیحدگی میں جا کر مشورہ کرنے لگے۔''

﴿قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''ان کے بڑے نے کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر پختہ عہد لیا ہوا ہے''

اُن کے سب سے بڑے بھائی کا نام یہودا تھا' یہ وہی تھے جنہوں نے مشورہ دے کر حضرت یوسفؑ کی جان بچائی تھی کہ اگر تم اُس کی جان کے درپے ہوگئے ہو تو اسے قتل مت کرو بلکہ کسی دور دراز علاقے میں پھینک آؤ۔

﴿وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ﴾ ''اور (کیا تم نہیں جانتے) جو زیادتی اس سے پہلے تم یوسفؑ کے معاملے میں کر چکے ہو!''

﴿فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰي يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ﴾ ''اب میں تو اس سرزمین سے نہیں ہلوں گا' یہاں تک کہ میرے والد خود مجھے اجازت دے دیں''

تم لوگ جا کر والد صاحب کو سارا واقعہ بتاؤ' پھر اگر وہ مطمئن ہو کر مجھے اجازت دے دیں تو تب میں واپس جاؤں گا ورنہ میں ادھر ہی رہوں گا۔

﴿اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰﴾ ''یا پھر اللہ ہی میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر دے' اور یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

آیت ۸۱ ﴿اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓي اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ﴾ ''تم لوٹ جاؤ اپنے والد کے پاس اور (جا کر) کہو کہ ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔''

﴿وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝۸۱﴾ ''اور ہم گواہی نہیں دے سکتے مگر اُسی چیز کی جس کے بارے میں ہمیں علم ہے' اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہیں۔''

ابا جان! ہم نے اُسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا' ہم تو آپؑ کو وہی حقیقت بتا رہے ہیں جو ہمارے علم میں آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بن یامین نے چوری کی ہے اور اس جرم میں وہ وہاں پکڑا گیا ہے۔

آیت ۸۲ ﴿وَسْـَٔــلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۸۲﴾ ''آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے' اور اُس قافلے (والوں) سے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ اور ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں۔''

آپؑ مصر سے بھی حقیقت حال معلوم کرا سکتے ہیں یا پھر جس قافلے کے ساتھ ہم گئے تھے اس کے سب لوگ وہاں موجود تھے' ان کے سامنے یہ سب کچھ ہوا تھا۔ آپؑ ان میں سے کسی سے بھی پوچھ لیں' وہ سارا ماجرا آپؑ کو بتا دیں گے۔

آیت ۸۳ ﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ﴾ ''آپؑ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تمہارے لیے تمہارے نفسوں نے ایک کام آسان کر دیا ہے' پس صبر ہی بہتر ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہاں پر پھر وہی فقرہ بولا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کے بارے میں خبر ملنے پر بولا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ حقیقت وہ نہیں ہے جو وہ بیان کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: بہرحال میں اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔

﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۸۳﴾ ''ہوسکتا ہے اللہ ان سب کو لے آئے میرے پاس۔ یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا' حکمت والا ہے۔''

حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا غم ہی کیا کم تھا کہ اب دیارِ غیر میں دوسرے بیٹے کے مصیبت میں گرفتار ہونے کی خبر مل گئی' اور پھر تیسرے بیٹے یہودا کا دکھ اس پر مستزاد جس نے مصر سے واپس آنے سے انکار کر دیا تھا' مگر پھر بھی آپؑ صبر کا دامن تھامے رہے۔ رنج والم کے سیل بے پناہ کا سامنا ہے مگر پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ بس اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسا ہے اور اُسی کی رحمت سے اُمید!

آیت ۸۴ ﴿وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ﴾ ''اور آپؑ نے اُن سے رخ پھیر لیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف پر! (اور رونا شروع کر دیا)''

﴿وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ﴾ (۸۴) ’’اور صدمے سے آپؑ کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں کیونکہ آپؑ غم کو (اندر ہی اندر) پیتے رہتے تھے۔‘‘

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت محبت تھی۔ بیٹے کے ہجر اور فراق میں آپؑ کے دل پر جو گزری تھی خود قرآن کے یہ الفاظ اس پر گواہ ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا ایک ناگزیر تقاضا ہے جسے یہاں اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کسی کے بچے کا فوت ہو جانا یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے‘ لیکن بچے کا گم ہو جانا اس سے کئی گنا بڑا صدمہ ہے۔ فوت ہونے کی صورت میں اپنے سامنے تجہیز و تکفین ہونے سے‘ اپنے ہاتھوں دفن کرنے اور قبر بنا لینے سے کسی قدر صبر کا دامن ہاتھ میں رہتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس صبر میں ثبات پیدا ہوتا جاتا ہے۔ مگر بچے کے گم ہونے کی صورت میں اس کی یاد مستقل طور پر انسان کے لیے سوہانِ روح بن جاتی ہے۔ یہ خیال کسی وقت چین نہیں لینے دیتا کہ نہ معلوم بچہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے۔ اور اگر زندہ ہے تو کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے؟ یہی دکھ تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندر ہی اندر کھا گیا تھا اور رو رو کر آپؑ کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں۔ آپؑ کو وحی کے ذریعے یہ تو بتلا دیا گیا تھا کہ یوسفؑ زندہ ہیں اور آپؑ سے ضرور ملیں گے‘ مگر کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ اور کب ملیں گے؟ یہ وہ سوالات تھے جو آپؑ کو سالہا سال سے مسلسل کرب میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔ اب بن یامین کی جدائی پر یوسفؑ کا غم پوری شدت سے عود کر آیا۔

آیت ۸۵ ﴿قَالُوۡا تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُا تَذۡكُرُ يُوۡسُفَ حَتّٰى تَكُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡهٰلِكِيۡنَ﴾ (۸۵) ’’انہوں نے کہا: (ابا جان!) اللہ کی قسم آپؑ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپؑ یا تو (اسی صدمے میں) گھل جائیں گے یا فوت ہو جائیں گے۔‘‘

آیت ۸۶ ﴿قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡكُوۡا بَثِّىۡ وَحُزۡنِىۡۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ ’’یعقوبؑ نے فرمایا: میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں‘‘

میں نے تم لوگوں سے تو کچھ نہیں کہا‘ میں نے تمہیں تو کوئی لعن طعن نہیں کی‘ تم سے تو میں نے کوئی باز پرس نہیں کی۔ یہی الفاظ تھے جو نبی اکرم ﷺ نے طائف کے دن اپنی دعا میں استعمال فرمائے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اِلَيۡكَ اَشۡكُوۡ ضُعۡفَ قُوَّتِىۡ وَقِلَّةَ حِيۡلَتِىۡ وَهَوَانِىۡ عَلَى النَّاسِ‘ اِلٰى مَنۡ تَكِلُنِىۡ؟ ......))(۱) ’’اے اللہ! میں تیری جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں اپنی

(۱) الجامع الصغیر للسیوطی‘ ح ۱۴۸۳۔ عن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب۔

قوت کی کمزوری اور اپنے وسائل کی کمی کی‘ اور لوگوں کے سامنے میری جو توہین ہو رہی ہے اس کی۔ اے اللہ! تو نے مجھے کس کے حوالے کر دیا ہے؟......‘‘

﴿وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ﴾ (۸۶) ’’اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم لوگ نہیں جانتے ہو۔‘‘

یعنی اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم سے میں جانتا ہوں کہ یوسف زندہ ہیں فوت نہیں ہوئے۔

آیت ۸۷ ﴿يٰبَنِىَّ اذۡهَبُوۡا فَتَحَسَّسُوۡا مِنۡ يُّوۡسُفَ وَاَخِيۡهِ وَلَا تَايۡـَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ ؕ﴾ ’’اے میرے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو یوسفؑ کو بھی اور اس کے بھائی کو بھی‘ اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔‘‘

﴿اِنَّهٗ لَا يَايۡـَٔسُ مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴾ (۸۷) ’’یقیناً اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی ہوتے ہیں۔‘‘

صاحبِ ایمان لوگ کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

آیت ۸۸ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ﴾ ’’پھر جب وہ لوگ یوسفؑ کے ہاں پہنچے‘‘

اگلے سال جب وہ لوگ اپنے والد کے حکم کے مطابق مصر پہنچے اور پھر حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش ہوئے۔

﴿قَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الۡعَزِيۡزُ مَسَّنَا وَاَهۡلَنَا الضُّرُّ﴾ ’’انہوں نے کہا: اے عزیز (صاحبِ اختیار)! ہم پر اور ہمارے اہل و عیال پر بڑی سختی آ گئی ہے‘‘

کئی سال سے لگاتار قحط کا سماں تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے اثرات زیادہ شدت کے ساتھ ظاہر ہو رہے ہوں گے۔ بھیڑ بکریاں بھی ختم ہو چکی ہوں گی۔ اب تو ان کی اون بھی نہیں ہو گی جو اناج کی قیمت کے عوض دے سکیں۔

﴿وَجِئۡنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزۡجٰىةٍ فَاَوۡفِ لَنَا الۡكَيۡلَ﴾ ’’اور ہم بہت حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں‘ لیکن (اس کے باوجود) آپؑ ہمارے لیے پیمانے پورے بھر کر دیجیے‘‘

اس دفعہ ہم جو چیزیں غلے کی قیمت ادا کرنے کے لیے لے کر آئے ہیں وہ بہت کم اور ناقص ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان سے غلے کی قیمت پوری نہیں ہو سکتی۔

﴿وَتَصَدَّقۡ عَلَيۡنَا ؕ﴾ ’’اور ہمیں خیرات بھی دیجیے۔‘‘

اپنے انتہائی خراب حالات کی وجہ سے ہم چونکہ خیرات کے مستحق ہو چکے ہیں‘ اس لیے آپؑ سے درخواست ہے کہ اس دفعہ کچھ غلہ آپ ہمیں خیرات میں بھی دیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِی الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝۸۸﴾ ’’یقیناً اللہ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے۔‘‘

چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے یہ ساری صورتِ حال بہت رقت انگیز تھی‘ اس لیے آپؑ مزید ضبط نہیں کر سکے اور آپؑ نے انہیں اپنے بارے میں بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

آیت ۸۹ ﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝۸۹﴾ ’’آپؑ نے پوچھا: کیا تم لوگوں کو یاد ہے کہ تم نے کیا کیا تھا یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ جب کہ تم نادان تھے!‘‘

آپؑ کا اپنے بھائیوں سے یہ سوال کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا حرف بہ حرف ایفا تھا جس کا ذکر سورت کے آغاز میں ان الفاظ میں ہوا تھا: ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۵﴾۔ یہ تب کی بات ہے جب وہ سب بھائی مل کر آپؑ کو باؤلی میں پھینکنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان الفاظ میں آپؑ کے دل پر الہام کیا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب آپؑ اپنے بھائیوں کو یہ بات ضرور جتلائیں گے‘ اور یہ ایسے وقت اور ایسی صورتِ حال میں ہو گا جب یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گی۔

آیت ۹۰ ﴿قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ﴾ ’’انہوں نے کہا: تو کیا آپؑ یوسفؑ ہیں؟ یوسفؑ نے فرمایا: ہاں! میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے‘‘

﴿قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۰﴾ ’’اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ یقیناً جو شخص تقویٰ کی روش اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔‘‘

آیت ۹۱ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ۝۹۱﴾ ’’انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ نے آپؑ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور یقیناً ہم ہی خطاکار تھے۔‘‘

یقیناً ہم خطاکار ہیں‘ بلاشبہ ظلم و زیادتی کے مرتکب ہم ہی ہوئے تھے۔

آیت ۹۲ ﴿قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ﴾ ’’یوسفؑ نے فرمایا: آج کے دن تم لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔‘‘

یہ اس قدر معمولی بات نہیں تھی جسے اس ایک فقرے میں ختم کر دیا جاتا‘ مگر حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت کے ترفّع اور اخلاق کی عظمت کی دلیل ہے کہ آپؑ نے اپنے ان خطاکار بھائیوں کو فوراً غیر مشروط طور پر معاف کر دیا۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے مخالفین‘ جن کے جرائم کی فہرست بڑی طویل اور سنگین تھی‘ کو معاف کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے اسی قول کا تذکرہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ((اَنَا اَقُوْلُ كَمَا قَالَ اَخِيْ يُوْسُفُ : لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ)) ’’میں آج (تمہارے بارے میں) وہی کہوں گا جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے (اپنے بھائیوں سے) کہا تھا: (جاؤ) تم پر آج کوئی گرفت نہیں ہے!‘‘

﴿يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۹۲﴾ ’’اللہ تمہیں معاف کرے‘ اور وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۹۳ ﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ﴾ ’’تم میری یہ قمیص لے جاؤ اور (جا کر) اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو‘ آپؑ کی بصارت لوٹ آئے گی۔‘‘

﴿وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹۳﴾ ’’اور تم لے آؤ میرے پاس اپنے تمام اہل خانہ کو۔‘‘

آیات ۹۴ تا ۱۰۱

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝۹۴ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝۹۵ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹۶ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝۹۷ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۹۸ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝۹۹ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ؗ

قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

آیت ۹۴ ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾﴾ ''اور جب قافلہ چلا (مصر سے تو) ان کے والد نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے' اگر تم لوگ یہ نہ کہو کہ میں سٹھیا گیا ہوں۔''

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ جونہی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اسی لمحے کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی خوشبو پہنچ گئی۔ مگر اس سے پہلے ایک طویل عرصے تک آپؑ نے اپنے بیٹے کے ہجر میں رو رو کر اپنی آنکھیں سفید کر لیں' مگر یہ خوشبو نہیں آئی۔ اس سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ کوئی نبی ہو یا ولی' کسی معجزے یا کرامت کا ظہور کسی بھی شخصیت کا ذاتی کمال نہیں ہے' بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ وہ جس کو' جس وقت جو علم چاہے عطا فرما دے یا اس کے ہاتھوں جو چاہے دکھا دے۔ جیسے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد نبویؐ میں خطبہ کے دوران اللہ تعالیٰ نے شام کے علاقے میں واقع اس میدانِ جنگ کا نقشہ دکھا دیا جہاں اُس وقت اسلامی افواج برسرِ پیکار تھیں' اور آپؓ نے فوج کے کمانڈر ساریہ کو ایک حربی تدبیر اختیار کرنے کی بآوازِ بلند تلقین فرمائی۔ جناب ساریہ نے میدانِ جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی اور آپؓ کی ہدایت پر عمل کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اختیار تھا کہ جب چاہتے ایسا منظر دیکھ لیتے۔

آیت ۹۵ ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾﴾ ''انہوں (گھر والوں) نے کہا: اللہ کی قسم! آپؑ تو اپنے اسی پرانے خبط ہی میں مبتلا ہیں۔''

آپؑ کو شروع ہی سے یہ وہم ہے کہ یوسفؑ زندہ ہے اور آپؑ کو اس کے دوبارہ ملنے کا یقین ہے۔ یہ آپؑ کے ذہن پر اسی وہم کے غلبے کا اثر ہے جو آپؑ اس طرح کی باتیں کر رہے

ہیں۔ وہی پرانے خیالات یوسف کی خوشبو بن کر آپ کے دماغ میں آ رہے ہیں۔

آیت ۹۶ ﴿فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ﴾ ''تو جب آیا بشارت دینے والا اور اُس نے ڈالا اس (قمیص) کو یعقوبؑ کے چہرے پر تو آپؑ پھر سے ہو گئے دیکھنے والے۔''

یوسف کی قمیص چہرے پر ڈالتے ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت لوٹ آئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے زندگی کا سب سے اندوہناک غم بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے کرتے ہی کی صورت میں سامنے آیا تھا جب برادرانِ یوسف نے اس پر خون لگا کر ان کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور اب زندگی کی سب سے بڑی خوشی بھی یوسفؑ کے کُرتے ہی کی صورت میں نمودار ہو گئی۔

﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾﴾ ''آپؑ نے فرمایا: کیا میں تم سے کہتا نہیں تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جو تم نہیں جانتے؟''

آیت ۹۷ ﴿قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾﴾ ''انہوں نے کہا: ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجیے' یقیناً ہم ہی خطاکار تھے۔''

آیت ۹۸ ﴿قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾﴾ ''آپؑ نے فرمایا: عنقریب میں مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے' یقیناً وہی ہے بخشش والا' بہت رحم کرنے والا۔''

یہاں پر ''سَوْفَ'' کا لفظ بہت اہم ہے۔ یعنی آپؑ نے فوری طور پر ان کے لیے استغفار نہیں کیا بلکہ وعدہ کیا کہ میں عنقریب تم لوگوں کے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اپنے بیٹوں کے بارے میں آپؑ کے دل میں رنج اور غصہ برقرار تھا۔ شاید آپؑ کا خیال ہو کہ میں یوسفؑ سے مل کر ساری تفصیلات معلوم کروں گا' اس کے بعد جب تمام معاملات کی صفائی ہو جائے گی تو پھر میں اپنے رب سے ان کے لیے معافی کی درخواست کروں گا۔

آیت ۹۹ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ﴾ ''پھر جب وہ سب یوسفؑ کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو'

کنعان سے چل کر بنی اسرائیل کا یہ پورا خاندان جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچا تو آپؑ نے خصوصی اعزاز کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اپنے پاس امتیازی نشستیں پیش کیں۔

﴿وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾﴾ ''اور کہا کہ اب آپ لوگ مصر میں داخل ہو جائیں' اللہ نے چاہا تو پورے امن وچین کے ساتھ (یہاں رہیں)۔''

اب آپ لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر اللہ نے چاہا تو یہاں آپؑ کے لیے امن وچین اور سکون وراحت ہی ہے۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ﴾ ''اور آپؑ نے اپنے والدین کو اونچے تخت پر بٹھایا' اور وہ سب کے سب یوسفؑ کے سامنے سجدے میں گر گئے۔''

یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ شریعتِ محمدی ﷺ میں جہاں دین کی تکمیل ہوگئی وہاں توحید کا معاملہ بھی آخری درجے میں تکمیل کو پہنچا دیا گیا۔ چنانچہ یہ سجدۂ تعظیمی اب حرامِ مطلق ہے۔ جو لوگ اپنے بزرگوں یا قبروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ صریح شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات وواقعات سے آج اس کے لیے کوئی دلیل اخذ کرنا قطعاً درست نہیں۔

﴿وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫﴾ ''اور یوسفؑ نے کہا: ابا جان! یہ ہے تعبیر اُس خواب کی جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا''

حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خواب کا ذکر آیت ۴ میں ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس میں گیارہ بھائی ستاروں کی مانند جبکہ والدین سورج اور چاند کے حکم میں ہیں۔

﴿قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ﴾ ''میرے رب نے اس کو سچا کر دکھایا۔''

﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ﴾ ''اور اُس نے مجھ پر بہت احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکلوایا''

﴿وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ﴾ ''اور آپ لوگوں کو (یہاں) لے آیا صحرا سے''

آپ لوگوں کو صحرا کی پُر مشقت زندگی سے نجات دلا کر یہاں مصر کے متمدن اور

ترقی یافتہ ماحول میں پہنچا دیا' جہاں زندگی کی ہر سہولت میسر ہے۔

﴿مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ﴾ ''اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈال دی تھی۔''

﴿اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿١٠٠﴾﴾ ''یقیناً میرا ربّ غیر محسوس طور پر تدبیر کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یقیناً وہی ہے ہر شے کا علم رکھنے والا' حکمت والا۔''

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق باریک بینی سے تدبیر کرتا ہے اور اس کی تدبیر بالآخر کامیاب ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں:

آیت ۱۰۱ ﴿رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ﴾ ''اے میرے ربّ! تُو نے مجھے حکومت بھی عطا کی ہے اور مجھے خوابوں کی تعبیر (یا معاملہ فہمی) کا علم بھی سکھایا ہے۔''

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ﴾ ''اے وہ ہستی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے' تُو ہی میرا کارساز ہے' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

﴿تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿١٠١﴾﴾ ''مجھے وفات دیجیو فرمانبرداری کی حالت میں اور مجھے شامل کر دیجیو اپنے صالح بندوں میں۔''

آیات ۱۰۲ تا ۱۱۱

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا
اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَمَا
تَسْـَٔــلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾ وَمَا يُؤْمِنُ
اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ
عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ هٰذِهٖ
سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣعَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ

اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ
اَهْلِ الْقُرٰی ؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٩﴾
حَتّٰٓی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ
مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ
عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ
بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿١١١﴾

آیت ۱۰۲ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ﴾ ’’یہ ہے غیب کی خبروں میں سے جو ہم وحی کرتے ہیں (اے محمدﷺ) آپ کی طرف۔‘‘

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿١٠٢﴾﴾ ’’اور آپؐ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے اتفاق رائے کیا تھا اپنے معاملے پر اور جب وہ لوگ سازش کر رہے تھے۔‘‘

آیت ۱۰۳ ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿١٠٣﴾﴾ ’’اور بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں‘ چاہے آپ کتنی ہی خواہش رکھیں۔‘‘

ان منکرین حق نے اپنی طرف سے ایک سوال کیا تھا‘ ہم نے اس کا مفصل جواب دے دیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس قدر عمدہ اور خوبصورت جواب پا کر وہ لوگ ایمان بھی لے آئیں گے۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ان میں سے اکثر لوگ آپﷺ کی شدید خواہش کے باوجود بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿١٠٤﴾﴾ ’’اور (اے نبیﷺ!) آپ اس پر ان سے کوئی اجر تو نہیں مانگ رہے‘ یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے ایک یاددہانی ہے۔‘‘

آیت ۱۰۵ ﴿وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا

مُعْرِضُوْنَ ﴿١٠٥﴾﴾ ’’اور کتنی ہی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر سے یہ گزرتے رہتے ہیں‘ لیکن یہ اُن سے اعراض ہی کرتے ہیں۔‘‘

یہ لوگ زمین و آسمان کی وسعتوں میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں کو بار بار دیکھتے ہیں مگر کبھی ان پر غور کر کے سبق حاصل نہیں کرتے۔

آیت ۱۰۶ ﴿وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿١٠٦﴾﴾ ’’اور ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس طرح کہ (کسی نہ کسی نوع کا) شرک بھی کرتے ہیں۔‘‘

یہ آیت ہمارے لیے بہت زیادہ لائق توجہ ہے اور ہم سب کو اس پر بہت غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے۔ شرک کا معاملہ ان لوگوں کا تو بالکل واضح ہے جو ایک اللہ کے ساتھ بے شمار دوسرے معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مختلف ناموں سے اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ خود کو موحّد سمجھتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ امکانی حد تک موحد ہوتے بھی ہیں‘ بسا اوقات غیر شعوری طور پر وہ بھی کسی نہ کسی نوع کے شرک میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال کو سمجھنے کے لیے بڑی گہری بصیرت کی ضرورت ہے‘ اور ایسی بصیرت اور ایسا علم حاصل کرنا ہر صاحب شعور مسلمان پر فرض ہے تاکہ وہ خود کو اس مہلک اور تباہ کن گناہ سے بچا سکے۔

شرک کو قرآن مجید میں بدترین گناہ اور سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس گناہ کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سورۃ النساء میں وہ آیت (۴۸ اور ۱۱۶) دو مرتبہ آئی ہے جس میں شرک کا ارتکاب کرنے والے فرد کے لیے معافی اور مغفرت کے کسی بھی امکان کو سختی سے رد کر دیا گیا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ﴾ —— اس اعتبار سے میں یہاں پر ایک دفعہ پھر ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ’’حقیقت و اقسام شرک‘‘ کے موضوع پر میری چھ گھنٹے کی تقاریر کی ریکارڈنگ آپ ضرور سنیں (اب اسی نام سے کتاب بھی دستیاب ہے‘ جس کا مطالعہ کر لیں) اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام کیا ہیں؟ ماضی میں شرک کی کیا صورتیں تھیں اور آج کے دور کا سب سے بڑا شرک کون سا ہے؟ شرک فی الذات کیا ہے؟ شرک فی الصفات کیا ہے؟ شرک فی الحقوق کیا ہے؟ نظریاتی شرک کیا ہے؟ سائنس میں یہ شرک کس طور سے آیا ہے؟ قوم پرستی‘ مادہ پرستی‘ نفس پرستی اور دولت پرستی کس اعتبار سے شرک کے زمرے میں آتی ہے؟ کون کون سے بڑے شرک ہیں جن میں آج ہمارے ملوث ہونے کا امکان ہے؟ شرک کے بارے میں یہ تمام

تفصیلات جاننا ایک بندۂ مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔

آیت ۱۰۷ ﴿اَفَاَمِنُوۡۤا اَنۡ تَاۡتِیَہُمۡ غَاشِیَۃٌ مِّنۡ عَذَابِ اللّٰہِ﴾ ''کیا وہ اس سے بے خوف ہو چکے ہیں کہ آ دھمکے اُن پر ڈھانپ لینے والی آفت اللہ کے عذاب کی‘‘

﴿اَوۡ تَاۡتِیَہُمُ السَّاعَۃُ بَغۡتَۃً وَّہُمۡ لَا یَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۰۷﴾﴾ ''یا (اُن کو یہ ڈر بھی نہیں رہا کہ) آ جائے اُن پر قیامت اچانک اور انہیں اس کا احساس تک نہ ہو!‘‘

آیت ۱۰۸ ﴿قُلۡ ہٰذِہٖ سَبِیۡلِیۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ ؞ عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیۡ ؕ﴾ ''(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے‘ میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں‘ پوری بصیرت کے ساتھ‘ میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے۔‘‘

یعنی میرا اس راستے کو اختیار کرنا اور پھر اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا‘ یونہی کوئی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف نہیں ہے‘ بلکہ میں اپنی بصیرتِ باطنی کے ساتھ‘ پوری سوجھ بوجھ اور پورے شعور کے ساتھ اس راستے پر خود بھی چل رہا ہوں اور اس راستے کی طرف دوسروں کو بھی بلا رہا ہوں۔ اسی طرح میرے پیروکار بھی کوئی اندھے بہرے مقلد نہیں ہیں بلکہ پورے شعور کے ساتھ میری پیروی کر رہے ہیں۔

آج کے دور میں اس شعوری ایمان کی بہت ضرورت ہے۔ اگرچہ blind faith بھی اپنی جگہ بہت قیمتی چیز ہے اور یہ بھی انسان کی زندگی اور زندگی کی اقدار میں انقلاب لا سکتا ہے‘ لیکن آج ضرورت چونکہ نظام بدلنے کی ہے اور نظام پر معاشرے کے intelligentsia کا تسلط ہے‘ اس لیے جب تک اس طبقے کے اندر شعور اور بصیرت والا ایمان پیدا نہیں ہو گا‘ یہ نظام تبدیل نہیں ہو سکتا۔

﴿وَ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۰۸﴾﴾ ''اور اللہ پاک ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔‘‘

آیت ۱۰۹ ﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی ؕ﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نہیں بھیجتے رہے آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں ہی کو بستیوں والوں میں سے‘ جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔‘‘

یعنی آپ ﷺ سے پہلے مختلف ادوار میں اور مختلف علاقوں میں جو انبیاء و رسل آئے وہ

سب آدمی ہی تھے اور ان ہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔

﴿اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ﴾ ''تو کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔‘‘

یہ انہی اقوام کے انجام کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر انباء الرسل کے تحت قرآن میں بار بار آیا ہے۔

﴿وَ لَدَارُ الۡاٰخِرَۃِ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾﴾ ''اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟‘‘

اگلی آیت مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کے بارے میں بہت سی آراء ہیں۔ میرے نزدیک جو رائے صحیح تر ہے‘ صرف وہ یہاں بیان کی جا رہی ہے۔

آیت ۱۱۰ ﴿حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ﴾ ''یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے‘‘

یعنی متعلقہ قوم میں جس قدر فطرتِ سلیمہ کی استعداد (potential) تھی اس لحاظ سے نتائج سامنے آ چکے۔ ان میں سے جن لوگوں نے ایمان لانا تھا وہ ایمان لا چکے اور مزید کسی کے ایمان لانے کی توقع نہ رہی۔ بالفاظِ دیگر اِس چاٹی میں سے جس قدر مکھن نکلنا تھا نکل چکا‘ اب اسے مزید بلونے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا۔

﴿وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّہُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا﴾ ''اور لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا تھا‘‘

یہاں ظَنُّوۡۤا کا فاعل متعلقہ قوم کے لوگ ہیں‘ یعنی اب تک جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے وہ مزید دلیر ہو گئے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ سب کچھ واقعی جھوٹ تھا۔ کیونکہ اگر سچ ہوتا تو اتنے عرصے سے ہمیں جو عذاب کی دھمکیاں مل رہی تھیں وہ پوری ہو جاتیں۔ ہم ایمان بھی نہیں لائے اور عذاب بھی نہیں آیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ اور عذاب کے یہ ڈراوے سب جھوٹ ہی تھا۔

﴿جَآءَہُمۡ نَصۡرُنَا ۙ﴾ ''تو ان کو ہماری مدد آ پہنچی‘‘

یعنی انبیاء و رسل کی دعوت اور حق و باطل کی کشمکش کے دوران ہمیشہ ایسا ہوا کہ جب دونوں طرف کی سوچ اپنی اپنی آخری حد تک پہنچتی (پیغمبر سمجھتے کہ اب مزید کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا اور

منکرین سمجھتے کہ اب کوئی عذاب وغیرہ نہیں آئے گا‘ یہ سب ڈھونگ تھا) تو عین ایسے موقع پر نبیوںؑ اور رسولوںؑ کے پاس ہماری طرف سے مدد پہنچ جاتی۔

﴿فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ﴿۱۱۰﴾﴾ ’’پس بچا لیا گیا ان کو جن کو ہم نے چاہا۔ اور ہمارا عذاب پھیرا نہیں جا سکتا مجرم قوم سے۔‘‘

یعنی اپنے انبیاء و رسل کے لیے ہماری یہ مدد منکرینِ حق پر عذاب کی صورت میں آتی اور اس عذاب سے جسے ہم چاہتے بچا لیتے‘ لیکن اس سلسلے کی اٹل حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقع پر مجرمین پر ہمارا عذاب آ کر ہی رہتا ہے۔ اُن کی طرف سے اس کا رخ کسی طور سے موڑا نہیں جا سکتا۔

آیت ۱۱۱ ﴿لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِہِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ﴾ ’’یقیناً ان (سابقہ اقوام) کے واقعات میں ہوش مند لوگوں کے لیے عبرت ہے۔‘‘

﴿مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَلٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ﴾ ’’یہ (قرآن) ایسی بات نہیں جسے گھڑ لیا گیا ہو‘ بلکہ یہ تو تصدیق (کرتے ہوئے آیا) ہے اُس کی جو اس سے پہلے موجود ہے‘‘

یعنی یہ واقعات تورات میں بھی ہیں اور قرآن انہی واقعات کی تصدیق کر رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے سلسلے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بہت عمدگی کے ساتھ تورات اور قرآن کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے‘ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے حسنِ بیان اور اس کے حکیمانہ انداز کا معیار اس قدر بلند ہے کہ تورات میں اس کا عُشرِ عشیر بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تورات تو گم ہو گئی تھی۔ بعد میں حافظے کی مدد سے جو تحریریں مرتب کی گئیں‘ ان میں ظاہر ہے وہ معیار تو پیدا نہیں ہو سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تورات میں تھا۔

﴿وَتَفْصِیْلَ کُلِّ شَیْءٍ وَّہُدًی وَّرَحْمَۃً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴿۱۱۱﴾﴾ ’’اور (اس میں) تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو (اس پر) ایمان لاتے ہیں۔‘‘

یعنی وہ علم جو اس دنیا میں انسان کے لیے ضروری ہے اور وہ راہنمائی جو دُنیوی زندگی میں اسے درکار ہے سب کچھ اس قرآن میں موجود ہے۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذِكر الحكيم oo

﴿ باقی ﴾ حقوق و فرائض

کی محبت اور اس کی ناراضی کا خوف بیٹھنے کی بجائے ازواج کی محبت اور ان کی ناراضی کا خوف دل میں بیٹھنے لگے۔ یہاں تک کہ حلال و حرام‘ جائز و ناجائز اور صحیح و غلط کی تمیز ختم ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ دونوں (شوہر اور بیوی) ایک دوسرے کے لیے حقیقی دشمن بن رہے ہیں۔ شوہر‘ بیوی کا خیال اس لیے رکھے کہ اللہ نے اس پر احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور بیوی شوہر کی اطاعت اس لیے کرے کہ اللہ نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے‘ لیکن دونوں اس بات کو صرف ’’معروف اور حلال‘‘ تک محدود کر لیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرد اپنی بے خبری اور عورت سے اپنی جبلی اور فطری محبت اور رغبت کے باعث اپنی قوامیت اور فضیلت سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور دین و دنیا سے جائیں۔ حدیث مبارکہ کا مفہوم ہے کہ اگر تم پر تمہارے مَردوں کی بجائے عورتوں کی حکمرانی ہو تو تمہارے لیے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے۔ واضح رہے حدیث میں عورت سے مراد صرف بیوی نہیں‘ بلکہ ہر مقام پر عورت کی حکمرانی سے بچنے کا مفہوم ہے۔

خلاصۂ کلام

شوہر کے فرائض اور ذمہ داریاں سمجھنا اور ان کی احسن طریقے سے ادائیگی نیک مَردوں کا تو شیوہ ہے ہی کہ وہ اللہ کا خوف رکھنے والے ہوتے ہیں‘ لیکن عام مرد جس کو اسلامی تعلیمات کا زیادہ علم نہیں ہے وہ بھی اگر بحسن و خوبی اپنے فرائض ادا کرتا رہے‘ چاہے عبادات میں فرائض کے علاوہ نوافل‘ وظائف اور تہجد وغیرہ نہ بھی پڑھتا ہو تو وہ بھی یقیناً دنیا میں بھی اور اللہ کے ہاں بھی اس کا ثمر پالے گا‘ ان شاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مَردوں‘ شوہر‘ بیٹوں کو ان کے فرائض و ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کو اس کا بہترین اجر دے۔ آمین یا ربّ العالمین!

دوسرا ان میں یہ احساس بھی غالب رہے کہ یہ فرائض مجھ پر اللہ کی طرف سے عائد کردہ ہیں جن کے بارے میں لازماً اللہ کے ہاں محاسبہ ہو کر رہے گا۔ میں دوسرے پر اپنا فرض ڈال کر کبھی بھی فارغ نہیں ہو سکتا۔ جیسے نماز بطور فرض مجھ پر عائد ہے اسی طرح حقوق العباد میں یہ فرائض ہیں جو ہر انسان پر عائد ہوتے ہیں اور انسانوں میں بہترین انسان نبی اکرم ﷺ ہیں جن کے اسوۂ حسنہ کے ایک گوشے کی مثال ازدواجی زندگی میں ہمارے سامنے رہنی چاہیے۔ اس سے ان شاء اللہ دنیا اور آخرت دونوں جنت کا نمونہ ہوں گے۔

علامہ اقبال اور قائدِاعظم کا پاکستان: سیکولر یا اسلامک؟

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ

تنظیم اسلامی لاہور کے زیر اہتمام ۳/فروری ۲۰۱۳ء کو قرآن آڈیٹوریم میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا' جس میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ نے ''علامہ اقبال اور قائداعظم کا پاکستان : سیکولر یا اسلامک؟'' کے عنوان سے خصوصی خطاب فرمایا۔ شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی کے ادارتی معاون حافظ محمد زاہد کی ترتیب وتسوید کے بعد یہ خطاب قارئین میثاق کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

﴿وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِیۡلٌ مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ تَخَافُوۡنَ اَنۡ
یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىکُمۡ وَاَیَّدَکُمۡ بِنَصۡرِہٖ وَرَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمۡ
تَشۡکُرُوۡنَ 26 یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ وَتَخُوۡنُوۡۤا
اَمٰنٰتِکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ 27﴾ (الانفال)

﴿قَالَ عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّهۡلِکَ عَدُوَّکُمۡ وَیَسۡتَخۡلِفَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرَ
کَیۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ ۞﴾ (الاعراف)

محترم ومعزز حضرات اور قابلِ احترام خواتین!

آج کا میرا موضوع ''علامہ اقبال اور قائداعظم کا پاکستان : سیکولر یا اسلامک؟'' مسلمانانِ پاکستان کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ موضوع بیک وقت نیا بھی ہے اور پرانا بھی۔ نیا اس اعتبار سے کہ حال ہی میں ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے ملکی سطح پر ایک

ریفرنڈم کرانے کا اعلان کیا تھا۔ اس ریفرنڈم کا عنوان تھا: ''ہم کس کا پاکستان چاہتے ہیں: قائداعظم کا یا طالبان کا؟'' اس سے پاکستان بھر میں ایک نئی controversy شروع ہوگئی' اس لیے کہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ قائداعظم کا تصور کچھ اور ہے اور طالبان کا کچھ اور —— دوسری طرف لفظ طالبان خود اپنی جگہ ایک متنازعہ (controversial) لفظ ہے۔ اس حوالے سے میں نے اپنے گزشتہ خطاب ''امریکی جنگ میں ہمارا تعاون؟ دو انتہاپسندانہ رویّے!''☆ میں سیر حاصل گفتگو کی تھی —— بہرحال اس ریفرنڈم کا عنوان متنازعہ تھا اور سب کو معلوم ہے کہ یہ موضوع کیوں چھیڑا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے جو سازش تیار کی تھی وہ الٹی انہی پر پڑ گئی۔ سماء ٹی وی نے اس پر ریفرنڈم کرایا تو غالباً ۸۱ فیصد نے ان کی بدنیتی کو بھانپتے ہوئے جواب دیا کہ ہم طالبان کا پاکستان چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ ریفرنڈم ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔

آج کا موضوع پرانا اس اعتبار سے ہے کہ پاکستان میں سیکولر دانشوروں کا ایک طبقہ قیامِ پاکستان کے آغاز ہی سے موجود رہا ہے جو ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!'' کو ایک متنازعہ بنیاد (controversial base) بنانے پر تلا ہوا ہے۔ سیکولر دانشوروں کا طبقہ جو جدید تہذیب اور مغرب کی مادی ترقی سے مرعوب ذہنیت کا مالک ہے' ابھی تک انگریز کی ذہنی وفکری غلامی سے آزاد نہیں ہوسکا ہے۔ اسی مرعوب ذہنیت پر اکبرالٰہ آبادی نے پھبتی چست کی تھی ۔

چیز وہ ہے بنے جو یورپ میں
بات وہ ہے جو پانیرؔ میں چھپے

پانیرؔ (Pioneer) اصل میں اُس وقت کا انگلش اخبار تھا—— اکبرالٰہ آبادی کافی پرانی شخصیت ہیں اور قیام پاکستان سے ۲۶ سال پہلے ان کا انتقال ہوگیا تھا—— یعنی اردو اخبارات تو ردی کا ڈھیر ہیں' ہاں وزن رکھنے والی معیاری بات وہ ہے جو انگریزی اخبار میں چھپے۔ اسی مرعوب اور شکست خوردہ ذہنیت پر ایک اور بڑی خوبصورت پھبتی ملاحظہ ہو: ۔

ہوئے اس قدر مہذّب' کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں' مَرے ہسپتال جا کر

اس نوع کے مہذب دانشوروں کا المیہ ہے کہ یہ لوگ مسلمان تو ہیں' لیکن ان کے نزدیک دانش اور حکمت کے اصل خزانے قرآن وسنت نہیں بلکہ وہ مغربی مفکّرین اور فلاسفہ ہیں جو سرے سے اللہ' اس کے رسولوں اور آخرت کو مانتے ہی نہیں! یہ لوگ ہیگل' نطشے' کانٹ'

☆ یہ خطاب ماہنامہ میثاق کی فروری ۲۰۱۳ء کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔

برٹرینڈ رسل‘ مارکس‘ فرائیڈ اور جدید سیکولر مغربی مفکّرین کے افکار کو ترجیح دیتے ہیں اور جہاں قرآن وحدیث کا حوالہ آ جائے وہاں ان کے دماغ کے دریچے بند ہو جاتے ہیں۔ اللہ الحکیم العلیم کے کلام کو فی الواقع یہ لوگ دقیانوسی سمجھتے ہیں اور اس کے مقابلے میں مادہ پرستی کے مارے ہوئے مسخ ذہنیت کے حامل نام نہاد مفکرین کے اقوال انہیں حکمت کے موتیوں کا مجموعہ نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نوع کی منفی سوچ رکھنے والے ان نام نہاد دانشوروں کے زہریلے مضامین زیادہ تر انگریزی اخبارات ہی میں شائع ہوتے ہیں۔

اسی طبقے کا ایک شخص جسٹس منیر تھا‘ جس نے طنزیہ انداز میں کہا تھا کہ پاکستان کا دستور کس کے اسلام کے مطابق ہوگا؟ اس لیے کہ یہاں تو اسلام ایک نہیں‘ پانچ چھ ہیں۔ سُنّی کا اور ہے شیعہ کا اور‘ دیوبندی کا اور ہے بریلوی کا اور‘ اہلِ حدیث کا اور ہے جماعت اسلامی کا اور۔ یہاں ایک اسلام تو ہے نہیں‘ تو آپ کس کا اسلام نافذ کریں گے؟ چنانچہ اس طنزیہ جملے پر سیکولر لوگوں نے بڑی تالیاں پیٹی تھیں اور واقعتاً مذہبی طبقات ایک مرتبہ دیوار کے ساتھ لگ گئے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس شر سے پھر ایک خیر برآمد ہوا اور تمام دینی طبقات اور تمام مسالک کے چوٹی کے لیڈر اکٹھے ہوئے۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ جو بہت بلند پایہ عالم دین تھے‘ کے زیرقیادت اور زیرصدارت کراچی میں کئی روز تک اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں ان تمام مسالک کے اکابرین نے ایک اسلامی ریاست کا متفقہ دستوری خاکہ پیش کر دیا کہ ہم سب اس پر متفق ہیں‘ لہٰذا اس کو نافذ کر دو۔ یہ بہت بڑا خیر اس کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا۔

اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیکولر طبقہ قیامِ پاکستان کے وقت بھی موجود تھا اور مسلم لیگ کی قیادت میں اس قسم کی سوچ رکھنے والے لوگ اچھی خاصی تعداد میں موجود تھے —— یہ بھی ہمارے لیے بڑی بدقسمتی کی بات ہے —— لیکن بالخصوص پرویز مشرف کے دور میں ان کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آئی اور ان کی ڈھٹائی میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ پاکستان کے حوالے سے اس سیکولر طبقے کی دانش کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنا‘ دوقومی نظریہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے‘ اور معمارِ پاکستان کے پیشِ نظر ایک اسلامی ریاست کا قیام نہیں تھا‘ بلکہ ایک سیکولر ریاست قائم کرنا ان کے مقصودِ نظر تھا۔

سیکولر اور اسلامی تصورِ ریاست میں فرق

تاریخ کے تناظر میں ان کے اس دعوے کی حقیقت کو سمجھنے اور تجزیہ کر کے صحیح نتائج تک

پہنچنے کے لیے ضروری ہوگا کہ پہلے ہم اس بات کا تعین کریں کہ سیکولر تصورِ ریاست اور اسلامی تصورِ ریاست میں فرق کیا ہے اور کیا سیکولرازم اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں یا یہ ہم آہنگ ہوسکتے ہیں؟

اسی تناظر میں ایک اور ضمنی بحث سب سے پہلے آئے گی کہ اسلام دین ہے یا مذہب؟ اس حوالے سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ دین اور مذہب ہم معنی الفاظ ہیں یا ان میں کوئی فرق ہے؟—— عام طور پر یہ الفاظ ہم معنی سمجھے جاتے ہیں۔ شناختی کارڈ وغیرہ کے خانے میں لفظ مذہب استعمال ہوتا ہے اور انگریزی میں اس کے لیے religion استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اگرچہ یہ دونوں الفاظ ہم معنی اور مترادف سمجھے جاتے ہیں اور انہیں ایک دوسرے کی جگہ استعمال بھی کیا جاتا ہے‘ لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ قرآن وسُنّت کے تصورِ دین اور آج کے تصورِ مذہب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اسلام کو دین قرار دیا ہے‘ فرمایا:﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۟﴾ (آل عمران:۱۹) ’’یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے‘‘۔ دوسری جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۚ﴾ (آل عمران:۸۵) ’’اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرنا چاہے گا وہ اس کی جانب سے قبول نہیں کیا جائے گا‘‘۔ حدیث میں بھی ہر جگہ اسلام کو دین قرار دیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث میں کہیں بھی مذہب کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا‘ البتہ ہمارے دینی لٹریچر میں مذہب کا لفظ مستعمل ہے۔ خاص طور پر جو چار فقہی مسالک ہیں ان کے لیے لفظ مذہب آتا ہے اور ان کو مذاہبِ اربعہ کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے لفظ مذہب مکتبِ فکر (school of thought) کے معنی میں آ رہا ہے کہ اسلام میں فقہ کے یہ چار مکاتیبِ فکر ہیں۔

مختصراً یہ جان لیجیے کہ دین ایک ہمہ گیر حقیقت ہے‘ جو انسان کے عقیدے‘ اخلاق اور عبادت کے طریقوں سے لے کر اجتماعی زندگی کے اعلیٰ ترین تمام گوشوں کو محیط ہے‘ جن میں معاشرتی نظام‘ سماجی اقدار‘ عدالتی نظام‘ معاشی نظام اور سیاسی نظام سب شامل ہیں —— جبکہ آج کا تصورِ مذہب (religion) صرف عقیدے اور مراسمِ عبودیت تک محدود ہے۔ چنانچہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مذہب (religion) کا لفظ جس محدود مفہوم میں آج کل مستعمل ہے‘ اس معنی میں اسلام کو مذہب قرار دینا ہرگز درست نہیں ہے۔ دیکھئے آج ساری دنیا کا تصورِ مذہب یہ ہے: ’’Religion is the private affair of a man.‘‘ یعنی مذہب ایک

انسان کا ذاتی اور نجی معاملہ ہے‘ جس کا اصل تعلق عقیدے سے ہے یا زیادہ سے زیادہ کچھ مراسمِ عبودیت اور کچھ مذہبی رسومات سے‘ جبکہ مذہب کا انسانوں کی اجتماعی زندگی سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق آج تسلیم نہیں کیا جاتا۔ ہر شخص اپنے عقیدے (dogma) کے مطابق اپنے طریقے سے عبادت کرے گا۔ مسلمان مسجد میں‘ ہندو مندر میں‘ سکھ گوردوارے میں اور عیسائی گرجے میں جائے گا۔ اس کے علاوہ ہر ایک کی کچھ مذہبی رسومات (rituals) ہیں‘ مثلاً کوئی شخص مر گیا تو اس کی تجہیز و تدفین ہر شخص اپنے طریقے سے کرے گا۔ مختصراً یہ کہ عالمی سطح پر آج کے تصورِ مذہب میں صرف درج ذیل امور کو شامل سمجھا جاتا ہے: (۱) عقیدہ و ایمان (dogma)‘ (۲) مراسمِ عبودیت (mode of worship) —— مثلاً ہم مسجد میں جا کر نماز پڑھتے ہیں‘ ہندو مندر میں جا کر بُتوں کے سامنے ماتھا ٹیکتے ہیں اور عیسائی چرچ میں جا کر اپنے انداز سے عبادت کرتے ہیں یعنی ہر ایک کا عبادت کا اپنا انداز ہے —— (۳) مذہبی رسومات (rituals) جن کا تعلق شادی یا مرگ سے ہے اور ان میں بھی ہر مذہب کا اپنا الگ طریقہ کار ہوتا ہے۔

یہ ہے مذہب کا مفہوم اور اس اعتبار سے یہ ہر انسان کا ذاتی اور انفرادی مسئلہ ہے۔ اس کا تعلق نہ تو اجتماعی زندگی سے ہے اور نہ ریاستی امور اور ملکی قوانین سے۔ گویا آج کی دنیا مذہب کے عمل دخل کو بس مندرجہ بالا تین چیزوں کی حد تک قبول کرتی ہے اور بس یہی انسان کا مذہبی دائرہ ہے۔ جہاں تک اجتماعی نظام مثلاً نظامِ معاشرت‘ نظامِ معیشت‘ نظامِ سیاست‘ نظامِ عدل و انصاف کا تعلق ہے تو ان تمام گوشوں کو سیکولر کہا جاتا ہے‘ یعنی ان اجتماعی گوشوں میں کسی مذہب کے عمل دخل کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ آکسفورڈ ڈکشنری میں ۱۹۶۰ء میں سیکولر کی یہ تعریف (difinition) کی گئی تھی:

Worldly not regligious or spiritual.

پھر ۱۹۹۵ء میں سیکولر کی یہ تعریف کی گئی:

Not concern with spiritual or religious affairs

سیکولرازم کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے:

The belief that laws and education etc should be based on facts and science rather than religion.

اور سیکولرائز کرنے کا مطلب یہ ہے:

To remove something from church.

یعنی چرچ کے دائرہ اختیار سے کسی معاملہ کو خارج کر دیا جائے کہ اس معاملے میں چرچ یعنی مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

آج مذہب اور سیکولرازم کا یہ تصور پوری دنیا میں رائج ہے اور یہ دونوں پوری طرح ہم آہنگ (compatible) ہیں۔ اسی کے نتیجے میں سیکولر جمہوری ریاستیں (secular democratic states) وجود میں آتی ہیں جو آج کی دنیا میں واحد قابل قبول صورت (option) ہے —— مذہب اور سیکولر دونوں کیسے ہم آہنگ ہیں‘ یہ جان لیجیے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر انسان کو پوری مذہبی آزادی ہونی چاہیے۔ یعنی ہندو اپنے طریقے سے‘ مسلمان اپنے طریقے سے اور عیسائی اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے میں آزاد ہیں۔ پھر یہ سب ایک سیکولر ریاست میں برابر کے شہری بن کر رہ سکتے ہیں‘ اس لیے کہ پورے اجتماعی نظام میں کسی بھی مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور سیکولر ریاست میں اجتماعی نظام لوگوں کی مرضی اور کثرتِ رائے سے تشکیل پاتا ہے‘ جس میں کسی آسمانی کتاب یا رسول کی تعلیمات کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا۔ اس اعتبار سے سیکولرازم تصورِ مذہب کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہے۔

آپ ہندوستان کی مثال لے لیجیے۔ وہاں بے شمار مذاہب ہندو‘ سکھ‘ عیسائی‘ مسلمان‘ بدھ مت‘ جین مت‘ شنٹوازم اور دنیا بھر کے مذاہب کے ماننے والے جمع ہیں اور سب کو اپنی ذاتی زندگی میں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے۔ یہاں اجتماعی نظام میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں اور قانون ساز ادارہ پارلیمنٹ ہے جہاں عوام کے نمائندے بیٹھے ہیں اور وہ کثرتِ رائے سے جو چاہیں قانون بنائیں۔ سیکولرازم کا یہ تصور آج کی دنیا کا سب سے زیادہ مقبول تصور ہے اور یہ تصور مذہب کو تسلیم کر رہا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ امریکہ میں بھی اس حوالے سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ عید الاضحیٰ کے موقع پر اعلیٰ حکام کی طرف سے عید کے پیغامات آتے ہیں‘ افطار پارٹی میں امریکی صدر خود شرکت کرتے ہیں‘ لیکن اسلام کے سیاسی نظام کی بات ان کے لیے ایٹم بم سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ القاعدہ پر الزام لگاتے ہوئے اس کا تعارف ان الفاظ میں کروایا تھا کہ القاعدہ مشرق بعید سے لے کر مراکش تک اسلام کا نظامِ خلافت قائم کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا اس جرم پر ساری دنیا کے لیے ضروری ہو گیا کہ وہ القاعدہ پر چڑھ دوڑے‘ اس لیے کہ اس نے تو ہمارے سیکولر تصورات کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے! اس اعتبار سے سیکولرازم کو لامذہبیت کہنا غلط ہے۔ یہ تو مذہب کو کھلی آزادی دے رہا ہے اور اس نے تو سارے مذاہب برابر کر دیے ہیں۔ اس سے زیادہ پُرامن کوئی بات ہو نہیں سکتی۔

اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے!

اب آیئے اسلام کی طرف! کیا اسلام بھی اسی محدود معنی میں ایک مذہب ہے جن محدود معنوں میں آج ساری دنیا میں یہ لفظ بولا اور استعمال کیا جا رہا ہے؟ ہرگز نہیں' ہرگز نہیں! اسلام ہرگز انسان کی ذاتی اور نجی زندگی تک محدود نہیں ہے' بلکہ اسلام زندگی کے ہر گوشے' ذاتی معاملے سے لے کر اعلیٰ ترین سطح کے حکومتی و ریاستی معاملات سب کو محیط ہے۔ اسلام جس ایمان کی بات کرتا ہے وہ کائنات کے ابدی حقائق (facts) ہیں۔ ان کے مطابق اس پوری کائنات کا خالق و مالک ایک اللہ ہے اور اس کائنات میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں۔ انسانوں کی ہدایت کے لیے اُسی نے رسول بھیجے' سلسلہ نبوت و رسالت جاری کیا اور بنی نوع انسان کو یہ باور کرایا کہ اُن کی اصلی منزل دنیا نہیں' آخرت ہے — یہ ابدی اور سب سے بڑے حقائق ہیں اور ان کو تسلیم کرنے کا نام ہی ایمان ہے۔ ان حقائق کی بنیاد یقیناً عقیدۂ توحید اور رسالتِ محمدیؐ پر ہے۔ پھر اس میں مراسم عبودیت بھی ہیں' مذہبی رسومات بھی ہیں' اس میں ایک مکمل معاشرتی نظام بھی ہے' اس کے تفصیلی عائلی قوانین بھی ہیں' اس کا اپنا مکمل معاشی نظام بھی ہے' اس کا اپنا سیاسی نظام بھی ہے' اس کا اپنا عدالتی نظام بھی ہے۔ الغرض اسلام زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہے' کوئی ایک گوشہ بھی اسلام سے باہر نہیں ہے۔ اس طرح اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات (a complete code of life) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و سنت میں اسلام کو دین کہا گیا ہے اور دین کہتے ہی نظامِ زندگی کو ہیں۔ دین اپنے مفہوم میں آج کے لفظ نظام (system) سے زیادہ قریب ہے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلام محض مذہب نہیں' دین ہے' جو زندگی کے ہر گوشے بشمول تمام اجتماعی گوشوں کو محیط ہے' تو اب غور کیجیے: کیا اسلام اور سیکولرازم ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ — سیکولرازم کے مطابق دین و مذہب کا اجتماعی نظامِ زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں ہے' وہ تو بس انسان کی ذاتی اور انفرادی زندگی کی حد تک محدود ہے۔ دوسری طرف اسلام کہتا ہے: اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کہ حکمرانی صرف اللہ کے لیے ہے:

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری!

یعنی یہ زمین اللہ کی ہے اور اس نے بنی نوع انسان کو مکمل قانون' ضابطہ حیات' آئین و دستور بھی دے دیا ہے — سورۃ المائدۃ میں فرمایا: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ

نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط﴾ (آیت:۳) ''آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا' اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرما دیا' اور تمہارے لیے میں نے پسند کر لیا ہے اسلام کو بحیثیت دین'' — اور پھر یہ بتا دیا گیا کہ مکمل ضابطہ حیات دینے کے بعد اب بھی اگر تمہاری عدالتوں میں فیصلے اسلام کے مطابق نہ ہوں' تمہارے حکومتی معاملات آسمانی وحی کے مطابق نہ چلتے ہوں تو ﴿وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ ...... فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ ...... فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾﴾ ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں...... وہی تو ظالم ہیں...... وہی تو فاسق ہیں''۔ یہ لوگ دھوکہ باز ہیں جو اللہ کو رب مانتے ہیں' لیکن اللہ کی زمین اور اللہ کے دیے ہوئے خطے پر اللہ کا قانون نافذ نہیں کرتے۔ انہوں نے طاغوتی نظام کو اب تک اپنے ہاں جاری و ساری کر رکھا ہے۔ اللہ کا قانون اور طاغوتی و سیکولر نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں' اور جس طرح ایک نیام میں کبھی دو تلواریں نہیں سما سکتیں اسی طرح دین اسلام اور سیکولرازم کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ یا تو کسی ملک میں اللہ کا قانون ہوگا یا بندوں کا بنایا ہوا قانون! دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

دوسری طرف سیکولرازم تو خود ایک دین ہے اور یہ طاغوت کے ایک اجتماعی نظام کا نام ہے' لہٰذا سیکولرازم کو لامذہبیت کہنا تو یقیناً غلط ہے' اس لیے کہ محدود تصورِ مذہبیت کے ساتھ یہ پورے طور پر ہم آہنگ ہے' لیکن یہ دین کی ضد ہے۔ لہٰذا یہ درحقیقت **''لادینیّت''** ہے' اس لیے کہ جہاں سیکولرازم ہوگا وہاں اسلام بطور دین موجود نہیں ہو سکتا۔ البتہ ایک سیکولر ملک میں مسلمان مذہب کے محدود تصور کے تحت مذہبی زندگی گزار سکتے ہیں' لیکن اجتماعی سطح پر وہ اسی طاغوتی نظام کے تابع ہوں گے۔ اس کی مثال بھی ہماری تاریخ میں موجود ہے۔ انگریز نے جب مسلمانوں سے حکومت چھین کر اپنا نظام نافذ کیا اور برطانوی اور رومن لاء قائم کر دیا تو مسلمانوں نے اولاً احتجاج کیا لیکن بالآخر مجبور ہو کر تختِ برطانیہ کے تحت زندگی گزارنا شروع کر دی اور رفتہ رفتہ اس پر قانع ہوگئے۔ اقبال نے اس پر پھبتی چست کی تھی۔

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

محدود تصورِ مذہب آیا کہاں سے؟

اس تناظر میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ محدود تصورِ مذہب کہاں سے آیا اور کیوں

پوری دنیا میں اتنا مقبول ہوگیا‘ حالانکہ تمام رسول تو ایک ہی دین لے کر آئے تھے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ﴾ (الشوریٰ:۱۳) ’’اس نے تمہارے لیے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم‘ موسیٰ اور عیسیٰ (f) کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا‘‘۔ جب تمام رسولوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا تو یہ محدود تصورِ مذہب کیسے آ گیا اور قلوب واَذہان میں کیسے اتنا رچ بس گیا! اس بارے میں نوٹ کر لیں کہ یہ دراصل موجودہ مسخ شدہ عیسائیت کی پیداوار ہے۔ سینٹ پال نے دین مسیح یعنی عیسائیت کا حلیہ بگاڑا تو دین توحید بدترین مشرکانہ دین میں بدل گیا: ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ (البقرۃ:۱۱۶) ’’یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔‘‘ پال نے ابنیتِ مسیح یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کے ابنُ اللہ ہونے کا عقیدہ گھڑ لیا اور توحید کو تین حصوں میں بانٹ کر تثلیث بنا دیا۔ ساتھ ہی اُس نے ایک ظلم اور ڈھایا اور کہا کہ عیسائیوں پر شریعت لاگو نہیں ہے‘ اُس لیے کہ انجیل میں شریعت نہیں ہے‘ قوانین نہیں ہیں‘ کوئی نظام نہیں ہے۔ اس میں تو بس وعظ وتذکیر اور موعظت ہے‘ حالانکہ اسی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ جملہ بھی موجود ہے کہ ’’یہ مت خیال کرنا کہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قانون کو ختم کرنے آیا ہوں‘‘۔ لہٰذا تم پر بھی شریعتِ موسوی نافذ ہے جیسے کہ پہلے سے وہ چلی آ رہی ہے۔ گویا شریعت کا خلا نہیں تھا‘ شریعتِ موسوی موجود تھی‘ لیکن سینٹ پال نے ایک طرف دینِ مسیح کا حلیہ بگاڑا اور دوسری طرف اس نے عیسائیت کو شریعت کی پابندیوں سے آزاد کر دیا۔ چنانچہ وہاں سے اس محدود مذہبی تصور کی بنیاد پڑ گئی کہ مذہب کا ملکی اجتماعی نظام اور قوانین سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس سیکولر تصور کے تحت مذہب کا دارہ اثر بتدریج کم سے کم تر ہوتا گیا۔ یہود کو اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل (جس کی تفصیل Protocols میں ملتی ہے) کے حوالے سے یہ محدود تصورِ مذہب زیادہ مناسب اور مفید نظر آیا۔ چنانچہ گزشتہ صدی کے دوران انہوں نے عالمی فکری سطح پر اس کو خوب فروغ دیا۔ اور اس طرح اجتماعی معاملات میں یہ بہت بڑی یہودی سازش ہے کہ اس بنیاد پر آہستہ آہستہ مذہب کا عمل دخل بالکل ہی ختم ہو کر رہ گیا اور یہ تصور بنا دیا گیا کہ اجتماعی معاملات میں مذہب دخل دے ہی نہیں سکتا اور اس طرح سیکولرازم کے لادینی

تصور کو دنیا کے لیے قابل قبول (acceptable) بنا دیا گیا۔

آج فکری سطح پر پوری دنیا میں مغربی افکار کا تسلط ہے‘ لہٰذا یہ محدود تصورِ مذہب پوری دنیا میں مشہور اور رائج ہو گیا اور اس کو ہر جگہ پذیرائی ملی۔ المیہ یہ ہے کہ انگریز کے دورِ غلامی میں بدقسمتی سے ہم مسلمانوں نے بھی دین کے تصور کو مذہب تک محدود کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام بطورِ مذہب تو ہمارے ہاں موجود ہے‘ لیکن اسلام بطور دین آج کہیں بھی قائم و نافذ نہیں۔

قیامِ پاکستان میں قائدِاعظم اور علامہ اقبال کا کردار

اسلام اور سیکولرازم کا فرق واضح ہونے کے بعد آج کا موضوع ’’علامہ اقبال اور قائد اعظم کا پاکستان: سیکولر یا اسلامک؟‘‘ یقیناً زیادہ قابل فہم بن گیا ہوگا۔ آپ نوٹ کر لیں کہ پاکستان کا سیکولر دانشور طبقہ کس قسم کا زہر پھیلا رہا ہے‘ ان کا اصل مقصد کیا ہے اور یہ کس طرح اسلام کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قائداعظم پاکستان کے حوالے سے ایک سیکولر سٹیٹ کا تصور رکھتے تھے‘ یعنی جہاں اجتماعی نظام اور ریاستی امور میں دین و مذہب اور آسمانی ہدایت کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا‘ بلکہ مسلمان دوسرے غیر مسلموں کی طرح اپنے ذاتی معاملے میں مسجد جانے اور مذہبی تہوار منانے میں آزاد ہوں گے۔ باقی پورے اجتماعی نظام کا دین و مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ تو آیئے‘ ہم جائزہ لیتے ہیں کہ علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کا تصورِ اسلام اور تصورِ پاکستان کیا تھا؟

آپ کو معلوم ہے کہ پاکستان معجزاتی طور پر وجود میں آیا تھا۔ یہ اصل میں ربّ العالمین کا بہت بڑا احسان اور بہت بڑا تحفہ ہے جو ہمیں ملا تھا‘ لیکن بہرحال عالَمِ اسباب اور عالَمِ واقعہ میں دو محترم ترین ہستیاں ہیں کہ جن کی اس ضمن میں سب سے بڑی خدمات ہیں اور ان کا بہت بڑا کردار ہے۔ ان میں سے ایک ہیں علامہ اقبال اور دوسرے ہیں قائداعظم۔ ہمارے یہ نام نہاد دانشور عام طور پر قائداعظم کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلاتے ہیں اور اقبال کا نام لینے سے گریزاں ہیں‘ لیکن کون نہیں جانتا کہ پاکستان کے قیام میں فکری اور نظری اعتبار سے اصل کردار علامہ اقبال کا تھا۔ قومی سطح پر آج بھی اقبال ہی کو مفکّر و مصوّرِ پاکستان اور حکیم الاُمّت کہا جاتا ہے اور بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اس میں ایک اور بھی اضافہ کیا تھا: ’’مُبشّرِ پاکستان‘‘ —— آگے چل کر بات آئے گی کہ خطبہ الٰہ آباد میں علامہ اقبال نے کہا کہ یہ تو تقدیرِ مُبرم ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک اسلامی ریاست قائم ہو کر رہے گی۔ یعنی اقبال نے ایک اسلامی ریاست کا

تصور بھی دیا اور اس کو تقدیرِ مبرم (destiny) بھی قرار دیا کہ یہ ہو کر رہے گا۔

قیامِ پاکستان کے مقاصد کیا تھے؟ اس ضمن میں مفکر و مصورِ پاکستان کو نہ صرف یہ کہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس معاملے میں زیادہ معتبر حوالہ علامہ اقبال ہی کا قرار پاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ نہ صرف تصور دینے والے تھے بلکہ اس حوالے سے قوم میں ایک جذبہ بیدار کرنے میں ان کا بہت بڑا حصہ اور کردار تھا۔ انہوں نے قوم کو جو ولولہ عطا کیا تھا اس کے نتیجے میں ہی بات آگے بڑھی تھی۔ اس حوالے سے دوسرا نمبر معمار و بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کا ہے۔ ان کی سوچ پاکستان کے حوالے سے کیا تھی وہ آگے چل کر واضح ہو جائے گی۔

علامہ اقبال کا تصورِ اسلام

سب سے پہلے علامہ اقبال کے تصورِ اسلام کی بات کرتے ہیں۔ اسلام کے آفاقی اور ہمہ گیر تصور کو اُجاگر کرنے میں ان کا جو کردار ہے اس بارے میں تو دو آراء ہو ہی نہیں سکتیں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ انگریز کی غلامی کی وجہ سے ہم بھی آہستہ آہستہ دین کے اصل تصور کو چھوڑ کر محدود مذہبیت کی طرف آ گئے تھے‘ بایں معنی کہ اوپر سارا نظام اور قانون انگریز کا ہے‘ لیکن نیچے ہمیں مسجدوں میں جانے اور وہاں اذان دینے کی آزادی ہے۔ اس پر اقبال نے کہا تھا ؎

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات!
وہ مذہبِ مَردانِ خود آگاہ و خُدا مست
یہ مسلکِ مُلّا و جمادات و نباتات!

ایک موقع پر انہوں نے کہا:

اَلفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور ‘ مجاہد کی اذاں اور!

دین کے اصل تصور کا احیاء کرنے والے ہی اقبال ہیں اور ان کا یہ احسان صرف مسلمانانِ پاکستان تک ہی محدود نہیں ہے‘ بلکہ پوری ملّتِ اسلامیہ ان کی ممنونِ احسان ہے۔ اس احسانِ عظیم کا انکار کوئی نہایت ڈھیٹ اور کور چشم انسان ہی کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے تقریباً پورا عالمِ اسلام نوآبادیاتی تسلط اور یورپی استعمار کے تحت غلامی کی زندگی گزار رہا تھا اور ان کا تصورِ دین محدود ہو کر مذہبیت کی طرح رہ گیا تھا۔ امت مسلمہ کو اس نظریاتی غلامی سے

نکالنے والے اقبال ہی ہیں۔ آپ کے علم میں ہو گا کہ ایران میں جو انقلاب آیا اس میں ’’قائدِ انقلاب‘‘ تو امام خمینی شمار ہوتے ہیں‘ لیکن جو اصل میں انقلابی فکر ہے وہ ڈاکٹر علی شریعتی کا تھا۔ ڈاکٹر علی شریعتی نے ایک کتاب لکھی: ’’ما و اقبال‘‘ (ہم اور اقبال)۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ سارا فکر اور اسلام کا صحیح تصور ہمیں اقبال سے ملا ہے ؎

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند

اقبال ہی وہ ہستی ہے جسے اللہ نے یہ اعزاز بخشا کہ وہ دورِ حاضر میں قرآن کی تعلیمات کو زندہ کرنے کا سبب بنا۔ جس کی ابراہیمی نظر نے دورِ حاضر کے پوشیدہ شرکیہ تصورات کو بے نقاب کیا۔

اسلام‘ جسے مسلمانوں نے محدود معنوں میں مذہب بنا دیا تھا اسے ایک بار پھر ’’دین‘‘ کے طور پر دوبارہ متعارف کرانے والے بھی اقبال ہیں —— تبھی تو بانی تنظیم اسلامی نے انہیں چودھویں صدی کا ’’مجدّدِ فکرِ اسلامی‘‘ قرار دیا —— چنانچہ اقبال نے سیکولر جمہوری تصورات اور وطنی قومیت کے نظریہ پر ایسا کلہاڑا چلایا کہ ابلیس بھی بلبلا اٹھا ہو گا ؎

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!

پھر ابلیس کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

اور موجودہ سیکولر جمہوری ریاست کے بارے میں کہتے ہیں ؎

تُو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن‘ اندروں چنگیز سے تاریک تر!

اسلام کی بحیثیت دین اور اجتماعی نظام کے جو تعریف اور تشریح علامہ اقبال نے کی ہے اور اسے ’’آئینِ پیغمبر‘‘ قرار دیا ہے‘ وہ انہی کا اعزاز ہے۔ ’’ابلیس کی مجلسِ شوریٰ‘‘ نامی مشہور نظم میں ابلیس کی زبان سے بھی ان حقائق کو مبرہن کیا۔ ذیل میں اس نظم کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں تا کہ آپ کو معلوم ہو کہ اقبال کا تصورِ اسلام کیا تھا اور وہ کتنا صحیح اسلامی فکر لے کر آئے تھے۔

نظم ’’ابلیس کی مجلسِ شوریٰ‘‘ کا پس منظر یہ ہے کہ دنیا میں مارکسزم اور کمیونزم فروغ پا رہا تھا اور اس کا سیلاب بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اقبال کا انتقال ۱۹۳۸ء میں ہوا تھا اور یہ اس سے دو تین سال پہلے کی ان کی نظم ہے۔ اس میں ان کے فکر کا کلائمکس ہے۔ جب ماکسزم اور کمیونزم کا سیلاب بڑھنا شروع ہوا اور روس میں بالشویک انقلاب آیا تو ابلیس کے چیلوں نے ابلیس سے کہا کہ جب دنیا میں اشتراکیت کے نتیجے میں مساوات آ جائے گی‘ زن‘ زر‘ زمین کا جھگڑا ختم ہو جائے گا تو پھر ہمارے لیے کرنے کو کیا رہ جائے گا؟ اس لیے ہمیں اس نظام سے بڑا خطرہ ہے۔ ہمارے لیے مواقع ختم ہو جائیں گے‘ کیونکہ ہم انہی بنیادوں پر تو لوگوں کو لڑاتے ہیں اور اپنا کام نکالتے ہیں۔ اگر مساوات ہو گئی تو پھر ہمارا کیا ہوگا؟ اس پر ابلیس نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں ؎

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار‘ آشفتہ مغز‘ آشفتہ ہُو

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اِس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے — مزدکیت فتنۂ فردا نہیں‘ اسلام ہے!

ہمیں جس نظام سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور مستقبل میں ہمارے لیے جو خطرہ (threat) بن سکتا ہے وہ یہ اشتراکیت نہیں‘ بلکہ اسلام ہے۔

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں — ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مؤمن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں — بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر — حافظِ ناموسِ زن‘ مرد آزما‘ مرد آفریں!

ابلیس اسلام کے معاشرتی نظام سے خوف زدہ ہے‘ جس میں قوامیت مرد کی ہے‘ اور مرد کا کام یہ ہے وہ ناموسِ زن کی حفاظت کرے۔ چنانچہ آج مساواتِ مرد و زن کے نام پر ناموسِ زن کی دھجیاں بکھیرنے والا جو نظام ابلیس لے کر آیا ہے یہ اس کی بڑی کامیابی ہے۔

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے — نے کوئی فغفور و خاقاں‘ نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف — مُنعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

یعنی کوئی تصورِ ملکیت نہیں ہے اور کُل مال اللہ کا ہے۔ انسان کو جو کچھ ملا ہے وہ اللہ کی طرف

سے امانت ہے اور وہ امانت صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی مرضی کے مطابق صرف ہو سکتی ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب — پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں!

یعنی زمین پر کسی بادشاہ کا قانون نہیں چلے گا‘ بلکہ زمین اللہ کی ہے تو قانون بھی اُسی کا ہوگا۔

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب — یہ غنیمت ہے کہ خود مؤمن ہے محرومِ یقیں!

ابلیس کے لیے یہ بڑی تسلی تھی اور پھر اس نے اپنے چیلوں کو بھی تسلی دی کہ یہ آئینِ پیغمبر اگر چشمِ عالَم سے پوشیدہ ہی رہے تو بہتر ہے‘ سامنے نہ آنے پائے‘ اور اطمینان کی بات یہ ہے کہ مؤمن خود اس پر یقین سے محروم ہے۔

ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے — یہ کتابُ اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے!

ہماری کامیابی اسی میں ہے کہ یہ دانشورانہ انداز میں نکتے نکالتا رہے‘ الٰہیات کی ایسی بحثوں میں الجھا رہے جن کا عمل سے کوئی تعلق نہیں‘ مثلاً علم کلام اور فلسفہ کی بحثوں میں لگ جائے اور عمل کی طرف اس کا ذہن مائل نہ ہو —— فلسفہ اور علم کلام کی ان بحثوں میں جتنی زیادہ ذہنی مشغولیت (involvement) ہوتی ہے اتنی انسان کے اندر بے عملی در آتی ہے —— پھر اس سے بھی آگے بڑھ کر علامہ اقبال ابلیس سے کہلواتے ہیں ؎

ہر نفس ڈرتا ہوں اِس اُمت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

یعنی جو محدود تصورِ مذہب ہے‘ اسی کے اندر لوگوں کو مگن رکھو تاکہ ہم پھر دنیا پر راج کر سکیں اور ہم انسانوں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکیں۔

علامہ اقبال کا تصورِ پاکستان

یہ تو تھی علامہ اقبال کے تصورِ اسلام کی ایک جھلک۔ اب میں خطبہ الٰہ آباد کے کچھ حصے کا حوالہ دوں گا تاکہ پاکستان کے بارے میں بھی ان کا تصور واضح ہو جائے —— مصورِ پاکستان علامہ اقبال نے پاکستان کا تصور پہلی بار ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں پیش کیا تھا۔ پاکستان کے حوالے سے علامہ اقبال کی سوچ کیا تھی‘ وہ پاکستان کو کس طرح کی ریاست دیکھنا چاہتے تھے‘ یہ بات اسی خطبے سے واضح ہو جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے فرمایا:

"I would like to see the Punjab, the North-West Frontier Province, Sindh and Baluchistan amalgamated into a single state. Self-government within the British Empire or without the British Empire.

''میں پنجاب' سرحد' سندھ اور بلوچستان کو متحد ہو کر ایک واحد ریاست کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں' جس کی اپنی حکومت ہو' خواہ سلطنت برطانیہ کے تحت یا اس سے الگ۔''

آپ کو معلوم ہے کہ یہ علاقے انگریز کے دور سے صوبے چلے آ رہے ہیں' جس میں ہم نے ۶۵ سال میں صرف ایک تبدیلی کی ہے کہ صوبہ سرحد کا نام بدل کر خیبر پختونخوا رکھ دیا ہے —— آگے اقبال کہتے ہیں:

"The formation of a consolidated North West-Indian Muslim State appears to me to be the final destiny of the Muslims, at least of North-West India."

''مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ متحدہ شمال مغربی مسلم ریاست کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے تقدیرِ مبرم ہے۔''

آگے مزید کہتے ہیں:

"I therefore demand the formation of a consolidated Muslim State in the best interests of India and Islam."

''لہٰذا میں ہندوستان اور اسلام کے بہترین مفاد میں ایک الگ مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ کرتا ہوں۔''

اسی خطبہ کے آخر میں وہ تصورِ پاکستان کے حوالے سے کہتے ہیں:

"For Islam (it will be) an opportunity to rid itself of the stamp that Arabian Imperialism was forced to give it, to mobilize its laws, its education, its culture and to bring them into closer contact with its own original spirit and with the spirit of the modern times."

''اسلام کے لیے یہ ایک موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے تحت اس پر جو پردے پڑ گئے تھے ان سے چھٹکارا حاصل کر سکے اور اپنے قوانین' تعلیمات اور ثقافت کو اپنی اصل روح کے ساتھ روحِ عصر سے ہم آہنگ کر سکے۔''

یعنی جب ہماری ایک الگ مسلم ریاست بن جائے گی تو اُس وقت ہمارے پاس موقع ہوگا کہ عرب ملوکیت کے دور میں جو پردے اسلام کے رُخِ روشن پڑ گئے تھے ان سے چھٹکارا حاصل

کیا جا سکے اور ان داغ دھبوں کو دور کر کے اسلام کی اصل شکل دنیا کو دکھائی جائے۔ دورِ ملوکیت سے پہلے کا اسلام خلافتِ راشدہ والا اسلام تھا جو حقیقی معنی میں سو فیصد صحیح اسلامی نظام تھا۔ اقبال کی نظر دورِ خلافتِ راشدہ والے اسلامی نظام پر تھی اور وہ اس کو واپس لانا چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک الگ ریاست کا خواب دیکھا کہ اگر ہمیں ایک الگ خطہ مل گیا تو ہم وہ نظام یہاں پر لے آئیں گے۔

گویا بات واضح ہوگئی کہ علامہ اقبال کا تصورِ پاکستان ہرگز سیکولر نہیں تھا' بلکہ وہ تو حقیقی معنوں میں اعلیٰ ترین اسلامی ریاست کا قیام اور پھر اس میں خلافت راشدہ والا نظام لانا چاہتے تھے!

قائدِاعظم کا تصورِ پاکستان

اب ہم معمارِ پاکستان اور بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے تصورِ پاکستان کا جائزہ لیتے ہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران قائداعظم کے دو صد سے زائد بیانات' حقیقی اسلامی تصور یعنی ملکی نظام اور قوانین کے حوالے سے اسلام کے نفاذ کی تائید کرتے ہیں۔ کراچی میں ہمارے ایک دوست بانی پاکستان کے ان خطابات کو کتاب کی صورت میں مرتب کر رہے ہیں۔ وہ دو سو سے زائد قائداعظم کے ایسے خطابات اکٹھے کر چکے ہیں جن میں قائداعظم نے بلاواسطہ اور بالواسطہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کی بات کی۔ ان میں سے چند ایک اقتباسات بطور نمونہ میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

اس ضمن میں صرف ایک استثناء ہے۔ ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی ایک تقریر میں ایک جملہ ایسا ہے جس کے ایک حصے سے سیکولرازم کی کسی قدر تائید نظر آتی ہے۔ اس خطاب میں بانی پاکستان نے کہا تھا:

"You are free; you are free to go to your temples, you are free to go to your mosques or to any other places of worship in this State of Pakistan."

''آپ آزاد ہیں' آپ کو اپنے معبدوں میں جانے کی اجازت ہے' پاکستان کی اس ریاست میں آپ کو اپنی مساجد یا کوئی بھی دوسری عبادت گاہوں میں جانے کی آزادی ہے۔''

ان ہی چند الفاظ اور ایک فقرے کے بھی آدھے حصے کی بنیاد پر یہ سارے دانشور اسی کھونٹے پہ ناچ رہے ہیں کہ قائداعظم کا تصور سیکولر تھا۔

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے اپنی کتاب ''استحکامِ پاکستان'' میں لکھا ہے کہ اگر قائداعظم کی تقریر کے اس متنازعہ جملے کو ان کی دیگر تقاریر کے تناظر میں دیکھا جاتا تو کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہوتی۔ اس جملے کی متعدد قابل فہم تاویلات کی جا سکتی ہیں اور کی بھی گئی ہیں۔ ڈاکٹر صفدر

محمود نے ثابت کیا ہے کہ یہاں سے سیکولرازم کا کوئی پہلو کسی صورت نہیں نکلتا‘ لیکن چونکہ غلط فہمی پیدا ہوسکتی تھی لہٰذا قائداعظم نے ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے دوٹوک انداز میں فرمایا:

"Islamic principles today are as applicable to life as they were thirteen hundred years ago. He could not understand a section of the people who deliberately wanted to create mischief and propaganda that the constitution of Pakistan would not be made on the basis of Shariat."

’’اسلامی اصول آج بھی ہماری زندگی کے لیے اسی طرح قابل عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے قابل عمل تھے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ لوگوں کا ایک گروہ جان بوجھ کر فتنہ اندازی سے یہ بات کیوں پھیلانا چاہتا ہے کہ پاکستان کا آئین شریعت کی بنیاد پر مدوّن نہیں کیا جائے گا۔‘‘

یعنی انہوں نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا کہ کچھ لوگ پاکستان کو ایک سیکولر ریاست کہہ رہے ہیں۔ گویا جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ پاکستان کا آئین شریعت کے مطابق نہیں بنے گا وہ قائد کی نگاہ میں فتنہ پرور اور شرارتی ہیں اور غلط پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔

علّامہ اقبال‘ قائدِاعظم کے فکری راہبر

یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ علامہ اقبال کو قائداعظم کے فکری راہبر کا مقام حاصل ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ فکرِ اسلامی کو زندہ کرنے والی شخصیت اور تصورِ دین کو صحیح معنوں میں اُجاگر کرنے والی ہستی اقبال ہیں۔ اس اعتبار سے اسلام اور قرآن کے ساتھ اس انداز کا جو تعلق اقبال کا تھا‘ ظاہر بات ہے کہ قائداعظم کا معاملہ اس انداز کا نہیں تھا۔ اس حوالے سے وہ اقبال کو اپنا راہبر مانتے تھے۔

قائداعظم کی نگاہ میں علامہ اقبال کا کیا مقام تھا‘ اس حوالے سے ایک اقتباس پیش کرتا ہوں تاکہ کوئی کنفیوژن نہ رہے۔ ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال انتقال ہوا۔ اس وقت کلکتہ میں فلسطین کے مسئلے پر غور کرنے کے لیے قائداعظم کی صدارت میں ایک بہت بڑا جلسہ ہو رہا تھا۔ اس جلسے کے بارے میں سٹار آف انڈیا کی ۲۲/اپریل ۱۹۳۸ء کی خبر کے الفاظ ملاحظہ کیجیے:

"A mammoth public meeting of the Muslims of Calcutta was held on the football ground on 21 April to consider the Palistine problem, but it was converted into a condolence meeting to mourn the death of Allama Iqbal. Mr. M.A.Jinnah presided Mr. M.A. Jinnah said that the sorrowful news of the death of Dr. Sir Muhammad Iqbal had plunged the world of Islam in gloom and mourning. Sir Muhmmad Iqbal was undoubtedly one of the greatest poet, philosophers and seers of humanity of all times."

’’مسئلہ فلسطین پر غور کرنے کے لیے ۲۱/اپریل کو کلکتہ کے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ فٹ بال گراؤنڈ میں منعقد ہوا‘ لیکن یہ جلسہ علامہ اقبال کی وفات کے سوگ میں ایک تعزیتی جلسے میں تبدیل ہوگیا۔ اس کی صدارت مسٹر محمد علی جناح نے کی۔ مسٹر محمد علی جناح نے فرمایا کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات کی افسوسناک خبر نے دنیائے اسلام کو گہرے رنج اور افسوس میں مبتلا کر دیا ہے۔ سر محمد اقبال بلاشبہ ایک عظیم شاعر‘ فلسفی اور ہمہ وقت صاحبِ بصیرت انسان تھے۔‘‘

’’seers‘‘ اُن اصحابِ بصیرت کو کہا جاتا ہے جنہیں مستقبل کو دیکھنے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہے‘ جیسے اقبال نے کہا تھا: ؏ ’’گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود‘‘ — اور: ؎

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب

قائداعظم مزید فرماتے ہیں:

"He took a prominent part in the politics of the country and in the intellectual and cultural reconstruction of the Islamic world. His contribution to the literature and thought of the world will live for ever."

’’انہوں نے ملکی سیاست میں نمایاں حصہ لیا اور دنیائے اسلام کی علمی وثقافتی تجدید میں اہم کردار ادا کیا۔ دنیائے ادب میں ان کی تحریر وتقریر کا جو حصہ ہے وہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔‘‘

اب قائداعظم کا آخری جملہ ملاحظہ کیجیے جو انہوں نے اقبال کے بارے میں کہا:

" To me he was a personal friend, philosopher and guide and as such the main source of my inspiration and spiritual support."

’’وہ میرے ذاتی دوست‘ فلسفی اور رہنما تھے۔ وہ میرے لیے تشویق‘ فیضان اور روحانی قوت کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔‘‘

قائداعظم کا تصورِ پاکستان: ان کے خطابات کی روشنی میں

اب میں قائداعظم کے چند بیانات اور خطابات کا حوالہ دینا چاہوں گا جن سے اُن کا تصورِ پاکستان روزِ روشن کی طرح واضح طور پر سامنے آ جائے گا۔

● ۱۱/ جنوری ۱۹۳۸ء کو گیا ریلوے سٹیشن (بہار) پر ایک بہت بڑے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے مسلم لیگ کا جھنڈا لہرا کر فرمایا:

"Today in this huge gathering you have honoured me by entrusting the duty to unfurl the flag of the Muslim League, the flag of Islam, for you can not separate the Muslim League from Islam. Many people misunderstand us when we talk of Islam particularly our Hindu friends. When we say `This flag is the flag of Islam' they think we are introducing religion into politics- a fact of which we are proud. Islam gives us a complete code. It is not only religion but it contains laws, philosophy and politics. In fact, it contains everything that matters to a man from morning to night. When we talk of Islam we take it as an all-embracing word. We do not mean any ill will. The foundation of our Islamic code is that we stand for liberty, equality and fraternity."

’’آج اس عظیم الشان اجتماع میں آپ نے مجھے مسلم لیگ کا جھنڈا لہرانے کا اعزاز بخشا ہے۔ یہ جھنڈا درحقیقت اسلام کا جھنڈا ہے‘ کیونکہ آپ مسلم لیگ کو اسلام سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ بہت سے لوگ بالخصوص ہمارے ہندو دوست ہمیں غلط سمجھتے ہیں۔ جب ہم اسلام کی بات کرتے ہیں یا جب ہم کہتے ہیں کہ یہ جھنڈا اسلام کا جھنڈا ہے تو وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مذہب کو سیاست میں گھسیٹ رہے ہیں‘ حالانکہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم فخر کرتے ہیں۔ اسلام ہمیں مکمل ضابطۂ حیات دیتا ہے۔ یہ نہ صرف ایک مذہب ہے بلکہ اس میں قوانین‘ فلسفہ اور سیاست سب کچھ ہے۔ درحقیقت اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جس کی ایک آدمی کو صبح سے رات تک ضرورت ہوتی ہے۔ جب ہم اسلام کا نام لیتے ہیں تو ہم اسے ایک کامل لفظ کی حیثیت سے لیتے ہیں۔ ہمارا کوئی غلط مقصد نہیں‘ بلکہ ہمارے اسلامی ضابطہ کی بنیاد آزادی‘ عدل و مساوات اور اخوت ہے۔‘‘

● ۱۸ دسمبر ۱۹۴۶ء کو قائداعظم نے ریڈیو قاہرہ کے نمائندے سے ملاقات کے دوران گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

’’ہم نے مطالبہ کیا ہے کہ ہند کے شمال اور مشرق میں آزاد مملکتیں قائم کی جائیں جن پر مسلم اکثریت حکومت کرے۔ ہم اسے پاکستان کہتے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہند کے ان حصوں میں دو مسلم مملکتیں قائم کریں۔ ہم پاکستان کے منطقوں میں دوسروں کی مداخلت کے بغیر‘ اسلام کے ورثے اور اپنی ثقافت اور تہذیب کا تحفظ کر سکیں گے۔ باقی ماندہ ہند ہندوؤں کے زیرنگیں ہوگا اور وہ ان علاقوں میں اپنی مرضی و منشا کے مطابق حکومت کرنے میں آزاد ہوں گے اور اپنی ثقافت اور تہذیب کے تقاضوں کو پورا کر سکیں گے۔ مسلمان اور ہندو‘ ہند کی دو بڑی قومیں ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔‘‘

یہ ہے دو قومی نظریہ کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک قوم کی حیثیت سے ایک ملک میں نہیں رہ سکتے۔ یہی وہ مطالبہ تھا جو پاکستان کی بنیاد بنا۔ اگر غور کیا جائے تو ہر اعتبار سے ہم ہندو سے مختلف ہیں۔ ہمارا اپنا عقیدہ‘ ہماری اپنی رسومات‘ ہمارا اپنا طرزِ زندگی‘ ہمارا اپنا قانون‘ ہمارا اپنا مذہب‘ ہمارا اپنا دین۔ جبکہ سیکولر جمہوری ریاست کا تصور یہ ہے کہ ایک جغرافیائی خطے میں رہنے والے سب لوگ‘ چاہے وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں‘ ایک قوم کہلائیں گے۔ اس لیے کہ مذہب تو انفرادی معاملہ ہے جبکہ اجتماعی نظام لوگوں کی مرضی سے چلے گا اور لوگوں کے نمائندے اکثریت سے جو قانون بنائیں ان کو آزادی حاصل ہے —— اِس وقت ہندوستان میں تمام مذاہب کے پیروکار رہ رہے ہیں‘ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان ایک سیکولر جمہوری ریاست کا مکمل نمونہ ہے۔ ہم نے اُس وقت کہا تھا کہ ہم ہر اعتبار سے الگ ہیں اور ہم دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ہم ہندو کے ساتھ ایک قوم کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے۔ یہی دو قومی نظریہ پاکستان کی بنیاد بنا۔

● فروری ۱۹۴۸ء میں امریکہ کے عوام سے نشری خطاب کرتے ہوئے بانیٔ پاکستان فرماتے ہیں:

’’مجھے اس بات کا تو علم نہیں کہ دستور کی حتمی شکل کیا ہوگی‘ لیکن مجھے اس امر کا یقین ہے کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا جس میں اسلام کے لازمی اصول شامل ہوں گے۔ آج بھی ان کا اطلاق عملی زندگی میں ویسے ہی ہوسکتا ہے جیسے کہ تیرہ سو برس قبل ہوسکتا تھا۔ اسلام نے ہر شخص کے ساتھ عدل اور انصاف کی تعلیم دی ہے۔ ہم ان شاندار روایات کے

وارث ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے مرتّبین کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے باخبر ہیں۔‘‘

● ۸ ستمبر ۱۹۴۵ء کو مسلمانانِ ہند کے نام عید کے پیغام میں قائداعظم نے فرمایا:

’’ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی احکام صرف مذہبی اور اخلاقی امور تک محدود نہیں ہیں۔ گبن کے بقول ’’اٹلانٹک سے گنگا تک قرآن کو ایک بنیادی ضابطے کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے‘ نہ صرف دینیات کے اعتبار سے بلکہ سول اور فوجداری ضابطوں اور ایسے قوانین کے لحاظ سے جو بنی نوع انسان کے افعال اور املاک پر اللہ تعالیٰ کے غیر مبدل قوانین کے طور پر محیط ہیں۔ جہلاء کے سوا ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کا عام ضابطۂ حیات ہے۔ ایک دینی‘ معاشرتی‘ سول‘ تجارتی‘ فوجی‘ عدالتی‘ فوجداری ضابطہ ہے۔ رسومِ مذہب ہی سے متعلق نہیں بلکہ روزانہ زندگی سے متعلق بھی...... لہٰذا اسلام محض روحانی عقائد اور نظریات یا رسم ورواج کی ادائیگی تک محدود نہیں ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور پورے مسلم معاشرے پر محیط ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ پر من حیثیت المجموع اور انفرادی طور پر جاری وساری ہے۔‘‘

● آخر میں ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب کی ایک شہادت پیش کرنا چاہ رہا ہوں۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ قائداعظم کے ان معالجین میں سے ہیں جو ان کی زندگی کے آخری دنوں میں ان کے ساتھ تھے۔ قائداعظم آخری دنوں میں اتنے نحیف‘ نزار اور کمزور ہو چکے تھے کہ ذرا سی بات کرتے تھے تو سانس پھول جاتی تھی۔ ٹی بی اپنی آخری سٹیج پر پہنچ چکی تھی‘ چنانچہ ڈاکٹرز نے بات کرنے سے منع کر رکھا تھا۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ فرماتے ہیں کہ ایک بار دوا کے اثرات دیکھنے کے لیے ہم ان کے پاس بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن ہم نے بات چیت سے منع کر رکھا تھا‘ اس لیے الفاظ لبوں پر آ کر رک جاتے تھے۔ اس ذہنی کشمکش سے نجات دلانے کے لیے ہم نے خود انہیں دعوت دی تو وہ بولے:

’’تم جانتے ہو کہ جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے‘ تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے! یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہیں کر سکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسولِ خدا ﷺ کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔‘‘

بطور نمونہ بیان کیے گئے قائداعظم کے ان چند خطابات اور بیانات سے آسانی سے

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قائداعظم پاکستان کو سیکولر نہیں بلکہ مکمل طور پر ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانا چاہتے تھے۔

پاکستان کا قیام: معجزہ بھی‘ آزمائش بھی

میری بات تقریباً مکمل ہو چکی ہے اور یہ ثابت ہو گیا ہے کہ علامہ اقبال اور قائداعظم کا تصورِ پاکستان سیکولر نہیں بلکہ خالص اسلامی (True Islamic) تھا۔ اس حوالے سے میں ایک اور تاریخی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مسلمانانِ برعظیم کا عزم تھا جو اس فقرہ کی شکل میں سامنے آیا: ’’پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ!‘‘ اس کی پشت پر علامہ اقبال کا ولولہ انگیز فکر اور غلبہ اسلام کا جذبہ تھا یہی وجہ ہے کہ اگرچہ پاکستان کا قیام پولیٹیکل سائنس کے اصولوں کے حوالے سے ناممکن نظر آتا تھا لیکن اللہ کی غیبی مدد نے ایک ناممکن کو ممکن بنا دیا اور معجزانہ طور پر یہ خطہ زمین ہمیں عطا فرمایا۔ اور اللہ کی یہ غیبی تائید اس لیے تھی کہ ہم نے اُس کے دین سے وفاداری کا عہد کیا تھا۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ الانفال کی آیت ۲۶ قیامِ پاکستان کے حالات پر بہت حد تک منطبق ہوتی ہے‘ جس میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾﴾

جب ہم اس آیت پر غور کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ یہ آیت گویا خاص قیامِ پاکستان کے حوالے سے ہی نازل ہوئی تھی۔ فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ’’اور یاد کرو جبکہ تم تھوڑی تعداد میں تھے اور زمین میں دبا لیے گئے تھے‘‘۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب ہندوستان کو انگریز کے تسلط سے آزاد کرانے کی تحریک شروع ہوئی تھی اور اُس وقت صرف کانگریس واحد جماعت تھی —— مسلم لیگ تو بعد میں جا کر بنی ہے —— اور عملاً صورت حال یہ تھی کہ مسلمان‘ ہندو اور انگریز کی دوہری غلامی کی چکی میں پس رہے تھے۔ ہندو نے مسلمانوں کو ہر میدان میں پسماندہ رکھا ہوا تھا۔ اس کی پشت پر انگریز کی شکل میں جو حکمران طبقہ تھا وہ بھی مسلمانوں سے نفرت کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اور اسے اب بھی خطرہ مسلمانوں ہی سے تھا۔ ہندو تعداد میں چونکہ زیادہ تھے اس لیے وہ بہت زیادہ مؤثر ہو گئے تھے۔ اس لحاظ سے پورے خطے کے اندر مسلمانوں کا معاملہ بالکل بے بس‘ لاچار کا سا تھا اور وہ بالکل دیوار سے لگا دیے گئے تھے۔ بعینہٖ یہی بات اس

آیت میں بیان ہوئی ہے کہ تم تعداد میں کم تھے اور تمہارے دشمن تعداد میں بہت زیادہ اور انہوں نے تمہیں بے بس اور لاچار کر دیا تھا۔

آگے فرمایا: ﴿تَخَافُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾ ''تمہیں اندیشہ تھا کہ لوگ تمہیں اُچک لے جائیں گے''۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف شُدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کی تھیں کہ یہ مسلمان درحقیقت ہمارے ہی قبائل کے لوگ اور ہماری ہی نسلیں ہیں' لہٰذا ان کو ہندوازم کی طرف واپس لاؤ۔ یہ تحریکیں بڑی تیزی سے اپنے پاؤں پھیلا رہی تھیں' جس کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ میوات کے علاقے میں بڑی تیزی سے مسلمان ہندومت کی طرف واپس ہو رہے تھے۔ مولانا محمد الیاسؒ اسی فتنے کی سرکوبی کے لیے کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے تبلیغِ اسلام کا یہ خاص طریقہ اختیار کیا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں دین اور علم دین سے ایک لگاؤ پیدا ہوا اور پھر ہندوؤں کی وہ تحریک ناکام ہوئی — ﴿فَاٰوٰىكُمْ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ٹھکانہ عطا کیا'' یعنی جس کی تم دعائیں کر رہے تھے اللہ نے تمہیں وہ عطا کیا۔ ﴿وَاَیَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ﴾ ''اور خاص اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی'' اور اسی غیبی مدد سے پاکستان وجود میں آیا۔ ﴿وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ ''اور تمہیں بہترین پاکیزہ رزق عطا کیا'' یعنی رزق بھی دیا اور وسائل رزق بھی وافر دیے۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴿۲۶﴾﴾ ''تاکہ تم شکر بجا لاؤ'' — اللہ کے شکر کا فوری تقاضا یہ تھا کہ پاکستان بننے کے بعد اللہ کے دین کو اس سرزمین پر قائم و غالب کیا جائے اور اس کی دھرتی پر اسی کے قانون کو نافذ کیا جائے۔ یہ سب سے اولین ترجیح ہونی چاہیے تھی اور اس کام میں مسلمانانِ پاکستان کو جت جانا چاہیے تھا' لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔

قرآن مجید کی ایک اور آیت میں نے خطاب کے شروع میں تلاوت کی تھی:

﴿قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۲۹﴾﴾ (الاعراف)

''موسیٰؑ نے فرمایا: قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں خلیفہ بنائے' پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو!''

اسی طرح سورۂ یونس میں فرمایا:

﴿ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ﴿۱۴﴾﴾

''پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں جانشین بنا دیا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو!''

ہماری قربانیوں' دعاؤں اور اللہ عزوجل کے خصوصی فضل و کرم کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آ گیا' لیکن اس کے بعد جس امتحان میں ہم ڈالے گئے تھے' اس میں ہم انتہائی ناکام ہوئے۔ ہم نے جو کیا وہ آپ سب کے سامنے ہے۔ آج کہاں ہے وہ اسلام جس کا تصور دیا تھا اقبال اور قائداعظم نے؟ ہماری ناشکری اور احسان فراموشی کی انتہا یہ ہے کہ ہم نے ڈھٹائی سے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا ہی نہیں تھا' اور قائداعظم تو ایک سیکولر ریاست کا قیام چاہتے تھے! یہ ڈھٹائی' ناشکری' ناقدری اور احسان فراموشی' چوری اور سینہ زوری کی انتہا ہے۔ اگر سیکولرازم ہی ہماری منزل ٹھہری تو مطالبۂ پاکستان کی بنیاد کیا ہے؟ علیحدہ ملک کا جواز کیا ہے؟ پھر تحریک پاکستان چلانے کی ضرورت کیا تھی؟ یہ ہمارا جرم عظیم ہے کہ ہم نے ۶۵ برسوں میں اسلام کو قائم اور نافذ نہ کر کے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ ہم اللہ کے اس احسان کے مستحق نہیں تھے۔

میں نے اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ ''ٹائمز آف لندن'' کا حوالہ دیا ہے کہ ۱۴/اگست ۱۹۸۷ء کو تقسیم ہند کے چالیس سال مکمل ہونے پر اس اخبار کے ایڈیٹر نے جو اداریہ (editotrial) لکھا' اس میں اس نے ایک عجیب بات لکھی۔ اس نے لکھا تھا کہ چالیس سال پہلے جب ہندوستان کی تقسیم ہوئی اور انگریز نے اس خطے کو آزاد کیا تو دو ملک وجود میں آئے تھے۔ ایک کا نام پاکستان تھا اور دوسرے کا بھارت۔ ایک کا مستقبل ہمیں بڑا روشن نظر آتا تھا اور ایک کا مستقبل بڑا تاریک۔ اُس وقت ہمارے خیال میں پاکستان کا مستقبل روشن تھا' اس لیے کہ یہ ایک قوم ہے جس کی قومیت کی بنیاد اسلام ہے۔ یہ ایک نظریاتی ریاست ہے اور یہاں کے بسنے والے پچانوے فیصد اسی ایک نظریے کے ماننے والے ہیں۔ اس اعتبار سے ہمارا اندازہ یہ تھا کہ یہ ملک بہت ترقی کرے گا اور بہت مضبوط ہو گا۔ جبکہ بھارت کا مستقبل ہمیں تاریک نظر آتا تھا' اس لیے کہ وہاں بے شمار نسلوں سے تعلق رکھنے والے' بے شمار زبانیں بولنے والے' اور بے شمار مذاہب کے پیروکار ہیں اور ان سب کا مل جل کر رہنا بہت مشکل ہے۔ چنانچہ ہم سمجھتے تھے کہ بھارت کا مستقبل نہایت تاریک ہے' لیکن چالیس سال بعد ہم دیکھ رہے ہیں کہ معاملہ بالکل مختلف ہے۔ پاکستان بحران در بحران کا شکار ہے' یہاں تک کہ دو بار مارشل لاء لگ چکا ہے اور ۱۹۷۱ء میں تو ملک دولخت ہو چکا ہے۔ دوسری طرف انڈیا ایک بڑی پاور بن کر اُبھر رہا ہے۔

اب آپ دیکھئے اس سے اوپر مزید ۲۵ سال بیت چکے ہیں اور ان ۲۵ سالوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ انڈیا منی سپر پاور بن چکا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ نہیں تھا کہ ہمارے اندر پوٹینشل نہیں تھا یا یہ کہ پاکستان بنا کر ہم نے غلطی کی تھی‘ بلکہ دنیا ہمارے بارے میں سوچ رہی تھی کہ یہ ملک ترقی کرے گا۔ لیکن معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیمانے اور ہوتے ہیں۔ سورۃ ابراہیم میں فرمایا: ﴿لَئِنۡ شَکَرۡتُمۡ لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ وَلَئِنۡ کَفَرۡتُمۡ اِنَّ عَذَابِیۡ لَشَدِیۡدٌ ۷﴾ ’’اگر تم شکر گزاری کی روش اختیار کرو گے تو میں مزید عطا کروں گا اور اگر کفرانِ نعمت کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے‘‘۔ ہم نے تو کفرانِ نعمت کی انتہا کر دی۔ ایک طرف تو ہم نے جس وعدے ــــ یا اللہ تو ہمیں ایک الگ ملک عطا فرما‘ ہم اس میں تیرا نظام نافذ کریں گے ــــ پر یہ ملک حاصل کیا اس سے ہم دستبردار ہو گئے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر ہم نے ان وعدوں کا انکار کر کے کہنا شروع کر دیا کہ پاکستان سیکولرازم کے لیے بنا تھا!

اب ہمارے پاس کتنی مہلت باقی ہے‘ ہمیں نہیں معلوم‘ لیکن ع ’’تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں!‘‘ کے مصداق وفاقی وزیر داخلہ رحمٰن ملک صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ کراچی ہاتھ سے نکل رہا ہے‘ جبکہ بلوچستان کے بارے میں تو کب سے خدشہ اور اندیشہ ہے۔ اب حالات جس بگاڑ کی طرف جا رہے ہیں تو کہنے والے کہتے ہیں کہ نظام بالکل تباہ (collapse) ہونے کو ہے اور یہاں ایک خونی انقلاب آئے گا۔ اس لیے کہ اس ملک میں کھانے کو کچھ نہیں‘ نہ پانی ہے‘ نہ بجلی ہے‘ نہ گیس ہے‘ نہ یہاں انڈسٹری چل رہی ہے‘ نہ زراعت کا مستقبل محفوظ ہے‘ نہ روزگار ہے اور قرض ہمارے اوپر اتنا ہے کہ ان اعداد و شمار کو یاد رکھنا ہی مشکل ہے۔ ہم مکمل طور پر آئی ایم ایف کے قرضے تلے دبے ہوئے ہیں۔ اور وہ مدد تب دیں گے جب ہم ان کی شرائط مانیں گے۔ شرائط کے حوالے سے سارا نزلہ پھر عوام پر گرے گا۔ اس لیے کہ لٹیرے تو لوٹ رہے ہیں اور انہیں کسی قسم کی کوئی پروا نہیں ہے۔ پرویز مشرف اور اس کے بعد زرداری جیسے حکمرانوں کا مسلط ہونا بھی اللہ کا ایک عذاب ہے۔ ہم اس وقت اللہ کے عذاب کی زد میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ملک دے کر ہمیں آزمایا کہ ہم کرتے کیا ہیں‘ جبکہ ہم نے اپنے اعمال اور کردار سے ثابت کیا کہ ہم اس کے اہل ہی نہیں تھے۔

بانی محترم فرمایا کرتے تھے کہ پاکستان اپنا جواز کھو چکا ہے۔ یہ اسلام کے نام پر بنا تھا اور نصف صدی گزرنے کے باوجود یہاں اسلام نہیں آیا۔ پوری دنیا میں یہ واحد ملک ہے جو کسی

نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا ــــ کہا جاتا ہے کہ اسرائیل بھی ایک نظریاتی ملک ہے‘ حالانکہ وہ تو ایک نسلی ریاست ہے جو نسل کی بنیاد پر وجود میں آئی ہے ــــ جبکہ یہاں کوئی نسل‘ کوئی قومیت نہیں‘ اس کی بنیاد صرف اسلام تھی۔ اگر آپ ایک نظریاتی ریاست (Ideological state) کی نظریاتی بنیادوں کو مضبوط نہیں کریں گے تو پھر ظاہر بات ہے کہ کسی بھی وقت کوئی تیز آندھی اس کو ختم کر دے گی‘ جبکہ ہم نے تو اس کی جڑیں کاٹی ہیں اور ہمارا سیکولر دانشور طبقہ مسلسل اس کام پر لگا ہوا ہے ــــ پھر نائن الیون کے سانحے بلکہ ڈرامے کے بعد تو حکومتی سطح پر جس انداز سے اس ملک کی نظریاتی جڑوں پر تیشہ چلایا گیا ہے‘ اس کے ہولناک نتائج کے تصور سے روح کانپنے لگتی ہے۔

مسلمانانِ پاکستان کو مسلمانانِ ہند جتنا اسلام بھی میسّر نہیں!

میں یہ بات بھی کہا کرتا ہوں کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل ہوا اور آج مسلمانانِ پاکستان کو اتنا اسلام بھی میسر نہیں ہے جتنا بھارت کے مسلمانوں کو بھارت میں میسر ہے۔ یہ بات میں نے دانشوروں کی ایک محفل میں کہی تو انہوں نے اس پر بڑا احتجاج کیا۔ میں نے کہا میں آپ کو ثبوت دیتا ہوں۔ ہمارے دستور کے اندر صرف کچھ الفاظ ہیں‘ اس کی عملی حقیقت کوئی نہیں ہے۔ پاکستانی دستور میں اللہ کی حکمرانی کا ذکر ہے‘ لیکن کہاں ہے حکمرانی؟ کیا عدالتوں میں اللہ کی حکمرانی ہے؟ کیا پارلیمنٹ میں اللہ کی حکمرانی ہے؟ ــــ حتیٰ کہ پرویز مشرف کے دَور میں ’’تحفظِ حقوقِ نسواں بل‘‘ کے نام پر پاکستانی پارلیمنٹ ایک ایسا قانون پاس کرتی ہے جس کے بارے میں تمام مسالک کے سو فیصد علماء نے کہا کہ یہ خلافِ اسلام ہے‘ قرآن و سنت کے خلاف ہے‘ اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت پر مبنی ہے‘ لیکن وہ بل ہماری اسمبلی نے پاس کیا اور المیہ یہ ہے کہ اس پر متحدہ مجلس عمل (مذہبی و دینی علماء کی متحدہ سیاسی جماعت) بھی حکومت اور اس پارلیمنٹ سے باہر نہیں آئی اور اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی وہ اس پارلیمنٹ کا حصہ رہی۔

ہمیں تو اس ملک کے اندر اسلام کے عائلی قوانین بھی میسر نہیں ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں غلام احمد پرویز‘ جو اس دور میں منکرینِ حدیث اور منکرینِ سنت کا سرخیل ہے‘ نے جو عائلی قوانین ایوب خان کے ایماء پر مرتب کیے‘ وہ اس اسلامی ملک میں ڈنڈے کے زور پر نافذ کر دیے گئے۔ اس وقت سارے علماء نے کہا تھا کہ یہ عائلی قوانین جو نافذ کیے جا رہے ہیں قرآن و سنت کے خلاف ہیں‘ لیکن انہوں نے اس کے خلاف کوئی تحریک نہیں چلائی۔ نتیجتاً وہی عائلی قوانین آج بھی نافذ ہیں۔ جبکہ ہندوستان کے مسلمانوں نے عائلی قوانین کے حوالے سے جنگ لڑ کر

اپنا مطالبہ منوایا کہ ہمارے عائلی قوانین کے اندر کوئی مداخلت نہیں کرے گا اور ان کو پورا تحفظ (protection) حاصل ہوگا۔ ۱۹۸۵ء میں کلکتہ ہائی کورٹ نے شاہ بانو کیس☆ میں فیصلہ دے کر مسلمانوں کے عائلی قوانین میں کچھ مداخلت کی تو تمام مسالک سُنّی‘ شیعہ‘ دیوبندی‘ بریلوی‘ جماعت اسلامی‘ اہل حدیث علماء‘ الغرض سب نے متحد ہو کر بڑی بھرپور تحریک چلائی‘ دھرنے دیے‘ پُرامن مظاہرے کیے اور راجیو گاندھی کی حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے۔

اس وقت کی ایک تقریر کا میں حوالہ دیا کرتا ہوں۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اس تحریک کے قائد تھے۔ ان کی زیر سرکردگی یہ ساری تحریک چلی تھی۔ وہ ایک غیر سیاسی آدمی تھے‘ لیکن عالَمِ اسلام کی ایک نامور شخصیت تھے۔ وہ اس وقت فرما رہے تھے: ’’اے ہند کے مسلمانو! اگر تم سے تمہارے عائلی قوانین چھین لیے گئے تو تم مسجد میں مسلمان ہوگے اور اپنے گھروں میں کافر ہوگے‘‘۔ عائلی قوانین کا تعلق چونکہ گھریلو معاملات سے ہے اس لیے اگر گھر میں موجود قانون طاغوت کا ہے تو پھر تم گھر میں کافر ہوگے اور مسجد کی حد تک مسلمان ہوگے‘ بایں طور کہ ہمیں مسجد کی حد تک اذان دینے اور نماز پڑھنے کی آزادی ہے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس اعتبار سے ہم ۱۹۶۲ء سے اپنے گھروں میں کافر ہیں‘ اس لیے کہ ہمارے عائلی قوانین اسلامی نہیں ہیں۔ سود وہاں بھی ہے یہاں بھی ہے۔ اسی طرح باقی ساری خباثتیں جو وہاں سیکولرازم کی ہیں‘ وہ ساری یہاں بھی ہیں‘ لیکن اضافی طور پر ہمیں عائلی قوانین سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ مسلمانانِ پاکستان کو‘ مسلمانانِ ہند جتنا بھی اسلام میسر نہیں! یہ ہے وہ حال جو ہم نے اسلام کے ساتھ اس ملک میں آ کر کیا۔

پس چہ باید کرد؟

بہرحال یہ مرثیہ اس پلیٹ فارم سے بہت دفعہ کہا گیا ہے اور حقیقتاً اب جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ بھی سب کے سامنے ہے کہ شاید ایک خونی انقلاب آئے گا۔ اسلامی انقلاب تو تب آئے کہ

☆ کلکتہ ہائی کورٹ نے شاہ بانو کیس میں یہ فیصلہ دیا تھا کہ کوئی مسلمان اگر اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور وہ مطلقہ دوسری شادی نہ کرے تو جب تک وہ زندہ رہے گی اس کا نان نفقہ طلاق دینے والے کے ذمے رہے گا۔ اس پر بھارت کے مسلمانوں نے کہا کہ یہ ہماری شریعت اور عائلی قوانین میں دخل اندازی ہے‘ کیونکہ شریعت نے مطلقہ کے لیے صرف عدت تک نان ونفقہ کا حق رکھا ہے۔ (اضافہ از مرتب)

لوگ اپنی زندگیوں کو بدلیں‘ اپنا قبلہ درست کریں۔ قوم اجتماعی توبہ کرے اور اللہ کے دین کے قیام اور شریعت کے نفاذ کو ترجیح اول بنائے۔ اپنے مطالبات منوانے کے لیے یہ مظاہرے بھی کرتے ہیں‘ دھرنے بھی دیتے ہیں‘ لیکن سب مل کر اسلام کے نفاذ کے لیے اجتماعی تحریک کیوں نہیں چلاتے؟ مل کر مظاہرہ کیوں نہیں کرتے؟ دھرنے کیوں نہیں دیتے؟ کوئی اس کے لیے سوچنے کے لیے تیار نہیں! راستہ وہی ہے‘ لیکن ظاہر ہے کہ اس کے لیے قوم کے ایک قابل ذکر حصے کو اپنی اصلاح بھی کرنی ہوگی —— ملک بنانے والی ذات اللہ کی ہے اور اس کو بچانے والا بھی اللہ ہے۔ یہ اسے ہی معلوم ہے کہ آئندہ کب تک بچاتا ہے‘ کب تک مہلت دیتا ہے اور پھر (معاذ اللہ!) کب وہ آخری عذاب آ جائے۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ﴾ (السجدة:۲۱) ’’اور ہم انہیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزا چکھائیں گے شاید کہ وہ لوٹ آئیں‘‘۔ اس تناظر میں دیکھیں تو ہم پر بہت سے عذاب آئے ہیں۔ خاص طور پر اس دور میں آئے ہیں جب سے ہم نائن الیون کے بعد طاغوتی قوتوں کے فرنٹ لائن اتحادی بنے اور اللہ کے غضب کو ہم نے مزید بھڑکایا۔ ہم نے یہاں پر تو شریعت قائم نہ کی‘ لیکن افغانستان میں اللہ کے وفاداروں نے شریعت قائم کی تو ہم نے اس اسلامی حکومت کو بھی ختم کرنے میں طاغوتی اور ابلیسی قوتوں کا ساتھ دیا۔ چنانچہ اس اعتبار سے ہم جس مقام پر ہیں یہ بہت ہی خطرناک ہے۔ ہمیں کب تک مہلت ملی ہے‘ کچھ نہیں معلوم‘ لیکن راستہ ایک ہی ہے کہ اجتماعی توبہ کریں اور توبہ کے نتیجے میں سب سے پہلے اپنی زندگی پر اور پھر اپنے گھر میں شریعت اور اللہ کے دین کو نافذ کریں۔ پھر اس ملک پاکستان میں اور بالآخر پوری دنیا میں اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے اجتماعی جِدّوجُہد کریں۔ کیا عجب کہ خلافتِ راشدہ کی طرز کا نظامِ حکومت نافذ کرنے کا جو خواب اقبال نے دیکھا تھا‘ وہ شرمندۂ تعبیر ہو جائے اور ہم ایسا اسلام یہاں پر لا سکیں جو پوری دنیا کے لیے مشعلِ راہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس رخ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العالمین!

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات oo

PLESE VISIT THIS WEB SIDE FOR MESAAQ' HIKMAT-E-QUR'AN AND NIDA-E-KHILAFAT FOR INTERNET EDITION

www.tanzeem.org

حسد

غارت گرِ ایمان جذبہ

عتیق الرحمٰن صدیقی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ اَوْ قَالَ الْعُشْبَ)) (۱)

''حسد سے بچو' کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ یا فرمایا: خشک گھاس کو۔''

ایک دوسری حدیث میں حسد کی تباہ کاری اور خطرناکی کو بیان کرنے کے بعد اس کے تریاق کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((دَبَّ اِلَیْکُمْ دَاءُ الْاُمَمِ قَبْلَکُمْ : اَلْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ ، ھِیَ الْحَالِقَۃُ ، لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعَرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ ، وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا ، اَفَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِمَا یُثَبِّتُ ذَاکُمْ لَکُمْ : اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ)) (۲)

''پہلی اُمتوں کا مرض حسد اور بغض تمہارے اندر بھی سرایت کر گیا ہے جو مونڈنے والا مرض ہے۔ میرا مطلب بالوں کو مونڈنے والا نہیں' بلکہ دین کو مونڈنے والا ہے! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ سچے مؤمن بن جاؤ اور تم اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک باہم محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمہیں ایسی چیز کے بارے میں بتا نہ دوں جو تمہارے درمیان محبت پیدا کر دے؟ (وہ چیز یہ ہے کہ) اپنے درمیان سلام کو عام کرو!''

کسی مستحقِ نعمت سے اس نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنے کا نام حسد ہے۔ بسا اوقات

اس میں اعلیٰ مقصد کے لیے کوشش کرنا بھی شامل ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے: ((اَلْمُؤْمِنُ یَغْبِطُ وَالْمُنَافِقُ یَحْسُدُ)) ''مؤمن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے۔'' (۳)

مولانا محمد حنیف ندوی حسد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کسی کے عہدہ ومنصب یا دولت وثروت کے بارے میں یہ چاہنا کہ یہ اس سے محروم ہو جائے اور پھر اس کے لیے باقاعدہ سازش' تدبیر اور جتن کرنا (حسد کہلاتا ہے)۔ اس کے مقابلے میں غِبطۃ کا لفظ ہے جس کے معنی رشک کے ہیں۔ رشک اور حسد میں نفسیاتی فرق یہ ہے کہ حاسد تو دوسروں کی آسودہ حالی وکامیابی پر کڑھتا ہے اور غابِط خوش ہوتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی ان کامرانیوں سے بہرہ مند ہو جائے۔'' (۴)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے' کسی کو علم وفضل سے شاد کام کرتا ہے' کسی کو مال ودولت عطا کرتا ہے اور کسی کو عزت وشہرت سے سرفراز کرتا ہے۔ ہم اس کی عطاء وبخشش کا احاطہ کرنا چاہیں تو ہمارے لیے یہ ممکن نہیں۔ ربّ کریم جب کسی کو کوئی نعمت عطا کرتا ہے تو کوئی دوسرا اگر اُسی نعمت کی تمنا کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ یہ اخلاقیات کے منافی ہے۔ اس کی نوعیت رشک ومنافست کی سی ہے۔ البتہ یہ خواہش ناپسندیدہ ہے کہ کوئی شخص یہ آرزو کرے کہ وہ نعمت اس سے چھن جائے اور پھر وہ اس مذموم حرکت کے لیے کوشاں بھی ہو۔ ایک اسلامی معاشرہ میں اہل ایمان ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا مکمل اہتمام کرتے ہیں۔ ان کا افتخار اور ان کی منزلت اس امر میں پنہاں ہے کہ وہ اخلاق کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوں۔ وہ نہ تو دوسروں کے حقوق سلب کرنے کے متمنّی ہوں اور نہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں بخل سے کام لیتے ہوں' بلکہ محبت واخوت کے گلستان کی آبیاری کرنے میں اپنی سکینت کا سامان پاتے ہوں۔

احادیث مبارکہ میں نہ صرف حسد کی مذمت کی گئی ہے بلکہ حسد سے اپنے آپ کو پاک رکھنے کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ حاسد درحقیقت حسد کی آگ میں اپنے آپ کو جلا رہا ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے کسی دانا کا قول ہے: ''حاسد کے لیے تو یہی سزا کافی ہے کہ وہ تمہاری خوشی کے وقت رنجیدہ رہے''۔ ایک شاعر نے حاسد کی بے چارگی کا نقشہ اپنے اشعار میں بڑی عمدگی سے کھینچا ہے۔ ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

''حاسد کو اس کے حزن وغم میں پڑا رہنے دو۔ تمہارے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کے جگر میں آگ کے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ اگر تم کسی حاسد کی ملامت کرو گے تو

اس طرح تم اس کی پریشانی دور کر دو گے اور اگر تم خاموش رہو گے تو گویا اپنے ہاتھ سے اسے سزا دو گے۔''

ایمان کی پختگی سے انسان کی شخصیت نکھرتی اور سنورتی ہے' فکر و نظر کی طہارت اس کے اعمال کو پُرکشش اور جاذبِ نظر بناتی ہے' اس کے شب و روز عنبر فشاں بنتے ہیں' اللہ کی رضا اور خوشنودی ہر لحظہ اس کے پیشِ نظر رہتی ہے۔ بندۂ مؤمن کی محبت و عداوت' ملائمت اور شدت میں صرف ایک ہی نکتہ پنہاں ہوتا ہے کہ اُس کے ربّ کی پسندیدگی کسی لمحے اس کی نظروں سے مستور نہ ہونے پائے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ))(۵)

''جس نے اللہ ہی کے لیے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھا اور اللہ ہی کے لیے عطا کیا اور اللہ ہی کے لیے روکا تو اُس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔''

ایمان کا پودا اسی وقت تک سرسبز و شاداب رہتا ہے اور اس کی نمو اور بالیدگی اُسی وقت تک برقرار رہتی ہے جب تک کہ اس کی آبیاری کا تسلسل قائم رہے۔ حسد و کینہ اگر پرورش پانے لگے تو اس کا حسن گہنا جاتا ہے اور اس کی تازگی باسی پن کا شکار ہونے لگتی ہے اور یوں وہ پستیوں کی جانب لڑھکنے لگتا ہے۔ اکبرالہ آبادی نے کیا خوب کہا تھا ؎

حاسد اگر تجھ پہ حسد کرتا ہے
کر صبر کہ وہ خود کارِ بد کرتا ہے!
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے!

ربّ کریم نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھا دی کہ وہ اپنے بھائی بندوں کے لیے اپنے دل صاف رکھیں۔ سورۃ الحشر میں ارشاد فرمایا:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴿۱۰﴾﴾ (الحشر)

''اے ہمارے ربّ! ہم کو بھی بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش جنہوں نے ایمان لانے میں ہم پر سبقت کی اور ہمارے دلوں میں اہلِ ایمان کے لیے کینہ نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے ربّ! بے شک تُو نہایت شفیق اور مہربان ہے۔''

یعنی بعد میں آنے والے مہاجرین اپنے سے پہلے ہجرت کر کے آنے والوں کے لیے اخلاص اور بڑی محبت رکھتے ہیں۔ انہیں یہ حسد نہیں ہے کہ انہوں نے پہلے پہنچ کر تمام میسر وسائل اور اسباب پر قبضہ جما لیا ہے اور وہ ہر چیز سے محروم ہیں بلکہ وہ اپنے بھائیوں کی بخشش کے لیے بارگاہِ ربّ العزت میں دست بدعا رہتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ اپنے مقابل میں ان کے بہتر حالات دیکھ کر ان کے دلوں میں کینہ اور حسد کا جذبہ پیدا ہو۔ وہ اپنے رب سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ شیطان کی اُکساہٹوں سے محفوظ رہیں اور ان کے قلوب مہر و محبت سے معمور ہوں۔

امام نسائی نے اپنی سنن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ تین دن مسلسل یہ ہوتا رہا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مجلس میں یہ فرماتے کہ اب تمہارے سامنے ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اور ہر بار آنے والا شخص انصار میں سے ایک صاحب ہوتے۔ یہ دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کو جستجو پیدا ہوئی کہ آخر یہ ایسا کیا عمل کرتے ہیں جس کی بنا پر حضور ﷺ نے ان کے بارے میں بار بار جنت کی بشارت سنائی ہے۔ چنانچہ وہ ایک بہانہ کر کے تین روز مسلسل ان کے ہاں جا کر رات گزارتے رہے تاکہ ان کی عبادت کا حال دیکھیں' مگر ان کی شب گزاری میں کوئی غیر معمولی چیز انہیں نظر نہ آئی۔ ناچار انہوں نے خود ان ہی سے پوچھ لیا کہ آپ ایسا کیا عمل کرتے ہیں جس کی بنا پر ہم نے حضور ﷺ سے آپؓ کے بارے میں یہ عظیم بشارت سنی ہے؟ انہوں نے کہا کہ میری عبادت کا حال تو آپ دیکھ ہی چکے ہیں' البتہ ایک بات ہے جو شاید اس کی موجب بنی ہو اور وہ یہ ہے: **لَا اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ غِلًّا لِاَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ لَا اَحْسُدُہٗ عَلٰی خَیْرٍ اَعْطَاہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اِیَّاہُ** ''میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے خلاف کپٹ نہیں رکھتا اور نہ کسی ایسی بھلائی پر جو اللہ نے اسے عطا کی ہو اس سے حسد کرتا ہوں۔'' (۶)

اپنی نااہلی کی بدولت یہود حضور نبی کریم ﷺ کی معاونت سے محروم رہے' جبکہ ایمان کے فضل و شرف سے عرب کے اُمّی سرفراز کر دیے گئے اور روحانی' اخلاقی اور ذہنی زندگی کی رفعتوں سے مالا مال کر دیے گئے۔ ایمان اور قرآن کی نعمتِ عظمیٰ سے مشرف ہونے کی بنا پر یہود ان سے حسد کرنے لگے۔ قرآن نے ان کے حسد کا ذکر بایں الفاظ کیا ہے: ﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ج﴾ (النساء: ۵۴) ''پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا؟'' یعنی ان کی خواہش یہ تھی کہ ایمان کی یہ دولت

اور عظمت ان سے چھن جائے۔ سورۃ البقرۃ میں ان کی اس خواہش کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے:

﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾﴾

''اہلِ کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے پھیر کر پھر کفر کی طرف پلٹا لے جائیں' اگرچہ حق ان پر ظاہر ہو چکا ہے مگر اپنے نفس کے حسد کی بنا پر (ان کی یہ خواہش ہے)۔ پس تم عفو و درگزر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود ہی اپنا فیصلہ نافذ کر دے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

حسد کی مذموم ترین قسم یہ ہے کہ ایک آدمی یہ آرزو کرنے لگے کہ دوسرے سے اللہ کی عطا کردہ نعمت سلب ہو جائے خواہ اسے بھی حاصل نہ ہو۔ یہود اور منافقین چاہتے ہی یہ تھے کہ جس طرح وہ خود کفر میں مبتلا ہیں مسلمان بھی اسی طرح کفر کرنے لگیں۔ گاہے ایک شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوسرا جس نعمت سے سرفراز ہے وہ اسے مل جائے مگر اس کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ جب تک وہ نعمت اس سے سلب نہ ہو جائے وہ اسے مل نہیں پاتی۔ یہ بھی مذموم طرزِ عمل ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص نعمت کے حصول کا متمنی ہے' مگر یہ نہیں چاہتا کہ دوسرے کو اس سے محروم کر دیا جائے۔ یہ انداز حسد کی تعریف میں نہیں آتا۔ البتہ جو نعمت کسی کو میسر ہو بعینہٖ اس کی خواہش کرنا پسندیدہ نہیں۔ اس ضمن میں قرآن یہ کہتا ہے: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ﴾ (النساء:۳۲) ''اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کیا کرو''۔ دراصل اسلام فصل کی صورتوں کو مستحسن نہیں سمجھتا۔ وہ ان تمام امور کا نقیض ہے جن سے روابط ٹوٹتے ہوں' تعلقات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہو' امن و سکون غارت ہو اور مامونیت متاثر ہو کر رہ جائے۔ وہ انداز اور طریق کار جو موجبِ فساد ہو اور باہم دوریوں پر منتج ہوتا ہو اس سے باز رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

حسد شر اور فتنہ کا موجب ہے اور نتائج کے اعتبار سے بھی بُرا اور خطرناک ہے۔ اس کا ایک سبب بغض و عداوت ہے۔ ہر دشمن کی طبعی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا دشمن مصیبت میں گرفتار ہو' چنانچہ اپنے دشمن کی مصیبت پر وہ مسرت محسوس کرتا ہے اور اسے اگر کوئی نعمت میسر آئے تو اس پر وہ ملولِ خاطر ہوتا ہے۔ کافروں اور منافقوں کو مسلمانوں کے ساتھ جو عداوت تھی

وہ حسد کی صورت میں نمایاں ہوتی تھی۔ یہود نبی کریم ﷺ اور آپؐ کے مشن کے اتنے مخالف تھے کہ وہ اسلامی تحریک کے کسی فرد کے ساتھ مخلصانہ محبت رکھنے کے لیے تیار نہ تھے۔ انصار کے ساتھ پہلے سے ان کے جو تعلقات چلے آرہے تھے وہ انہیں روایتی طور پر نبھاتے تھے مگر دشمنی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ قرآن نے فرمایا: ﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ﴾ (آل عمران:۱۱۸) ''ان کے دل کا بغض ان کے مونہوں سے نکلا پڑتا ہے' اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے''۔ آگے فرمایا: ﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِھَا ۭ﴾ (آل عمران:۱۲۰) ''تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے' اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔''

بعض اوقات حسد میں ذاتی فخر اور غرور بھی آڑے آتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی بلند منصب پر فائز ہو جاتا ہے تو حاسدین کو یہ گراں گزرتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی اطاعت گزار ایک آدمی کے حلقہ اطاعت سے اپنے کسی شرف و امتیاز کی وجہ سے نکل جاتا ہے تو یہ بات اس شخص کے لیے بارِ خاطر ہوتی ہے جو مسلسل اسے مطیع و منقاد بنائے رکھنا چاہتا ہے۔ حسد کا یہ سبب عموماً ان اشراف سے تعلق رکھتا ہے جو دوسروں کی تذلیل کے خواہاں ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کی انا غیر معمولی طور پر بڑھی ہوئی ہوتی ہے وہ گوارا نہیں کرتے کہ کسی کو غیر معمولی شرف حاصل ہو جائے۔ اگر کسی کو یہ شرف ملتا ہے تو اس پر انہیں تعجب ہونے لگتا ہے۔

جب دو آدمیوں کے مقصد میں یکسانیت ہو تو وہاں بھی رشک اور کبھی حسد پر پرزے نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ایک کو کامیابی مل جائے تو دوسرا بدخواہی پر اتر آتا ہے۔ گھروں میں جس شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں' ایک باپ کے متعدد بیٹے ہوں تو وہاں رشک و حسد کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں قتل کرنے کی جو سازش تیار کی تھی اس کا سبب بھی یہی تھا —— جاہ پرستی اور اقتدار کی طلب بھی حسد کے جذبے کو جلا بخشتی ہے۔ جو لوگ انفرادیت کی شان کو دوبالا رکھنا چاہتے ہیں وہ ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کا کوئی شریک و سہیم ہو۔ اگر کسی کو جاہ و منزلت مل جائے تو وہ اس امر کے خواہاں ہوتے ہیں کہ یہ اس سے چھن جائے۔ اہل یثرب عبداللہ بن اُبی کو مدینہ کا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ حضور ﷺ کی آمد کے بعد یہ پروگرام تشنہ تکمیل نہ ہو سکا۔ عبداللہ بن اُبی کو یہ محرومی اتنی ناگوار گزری کہ وہ عمر بھر حضور ﷺ کے خلاف گھناؤنی سازشوں میں مصروف رہا —— خُبثِ باطن کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگ حسد کی آگ میں مسلسل جلتے رہتے ہیں اور کسی کی

بہتر حالت انہیں ہرگز پسند نہیں آتی۔ مردم آزاری ان کا شیوہ ہوتی ہے۔ خباثتِ نفس کی وجہ سے وہ حسد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہ اسباب جن کا مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیا گیا ہے یہ ان لوگوں میں ہوتے ہیں جن میں باہم ربط واشتراک ہو' بیگانوں میں یہ جذبہ نہیں ہوتا۔ علماء اور عابد بھی آپس میں اس لیے حسد کرتے ہیں کہ ان میں علم اور عبادت مشترک ہوتی ہے۔

جن بداخلاقیوں سے اخوت کا شیرازہ بکھرتا ہے اور ربط وتعلق میں دراڑیں پیدا ہوتی ہیں حضور نبی کریم ﷺ نے اہلِ ایمان کو ان سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) (۷)

''بدگمانی سے بچو' کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ' نہ باہم حسد کرو' نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو' نہ باہم بغض رکھو' بلکہ اے خدا کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔''

سید سلیمان ندویؒ اس حدیث کی شرح میں امام قرطبیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

المعنى كونوا كاخوان النسب فى الشفقة والرحمة والمحبة والمواساة والمعاونة والنصيحة

''اس کے معنی یہ ہیں کہ رحم وشفقت' غم خواری' محبت' اعانت اور خیر خواہی میں نسبی بھائیوں کی طرح ہو جاؤ۔''

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

''گویا رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ جب تم لوگ ان منہیات کو چھوڑ دو گے تو بھائی بھائی بن جاؤ گے' اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب ان کو نہ چھوڑو گے تو دشمن ہو جاؤ گے۔ اور بھائی بھائی بننے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اخلاقی خوبیاں حاصل کرو جن کی وجہ سے بھائی بھائی بن جاؤ' اور یہ اخلاقی خوبیاں وہ ہیں جن کا ذکر اوپر گزرا اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں جو اخوت کو نفیاً یا اثباتاً پیدا کرتے ہیں۔''(۸)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حاسدین کے شر سے بچنے کے لیے جامع کلمات ''مُعَوَّذَتَیْن'' کی صورت میں نازل فرمائے ہیں۔ صاحبِ تدبرِ قرآن لکھتے ہیں:

''جس حاسد کا حسد بھی بحرانی شکل اختیار کرے وہ قابیل کے حسد کی طرح ہابیل کا خون بہا کر ہی اُترتا ہے۔ اس وجہ سے اس سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ بنی آدم کا سب

سے بڑا حاسد شیطان ہے اور اس کو خاص کد عقیدۂ توحید سے ہے۔''

اس عقیدہ سے برگشتہ کرنے کے لیے وہ متنوع حربے اختیار کرتا ہے' اس لیے ہر لحظہ اس سے چوکنا رہنا چاہیے۔ حاسدین کے شر سے امان پانے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اللہ پر بھروسہ کرے اور نافع وضار صرف اُسی کو سمجھے۔ حاسد کی سطح پر اتر کر ایسی حرکات سے مجتنب رہے جو صرف حاسد کا خاصہ ہیں۔ حاسد جتنی بھی بے ہودہ حرکتیں کرے ان پر مشتعل ہونے کے بجائے تقویٰ اختیار کرے۔ کوشش کرے کہ اس کا دل اس کی فکر سے فارغ ہو جائے۔ گویا وہ حاسد کو نظر انداز کر دے۔ حاسد کے ساتھ بدی سے پیش آنے سے احتراز کرے' اس کا وطیرہ بھلائی کا ہو۔ عین ممکن ہے کہ احسان کا برتاؤ کرنے سے اس کی جلن کافور ہونے لگے۔ توحید کے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہنے سے ہی حاسدین کے شر اور فتنہ سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

اگر ہم جرائم کے مختلف اسباب پر غور کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ حسد اور بغض ایک ایسا مہلک مرض ہے جو رشتہ اخوت کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا ہے۔ قرابت داروں اور آپس میں محبت کرنے والوں میں مغائرت اور بے گانگی کا باعث بن جاتا ہے۔ اس روحانی مرض سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے رب سے اپنا رشتہ مضبوط کریں' اسی پر ہمارا بھروسہ ہو اور وہ تمام تدابیر اختیار کریں جن سے شیطان اپنے ترکش کے کتنے ہی تیر کیوں نہ آزمائے کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکے اور خائب وخاسر ہو کر رہ جائے۔

حواشی

(۱) سنن ابی داوٗد' کتاب الادب' با ب فی الحسد۔
(۲) سنن الترمذی' کتاب صفة القيامة والرقائق والورع' باب منه۔
(۳) مفردات القرآن از راغب اصفہانی۔
(٤) لسان القرآن' جلد دوم بحوالہ الحکمة مرتبہ شیخ عمر فاروق۔
(٥) سنن ابی داوٗد' کتاب السنة' باب الدليل على زيادة الايمان ونقصانه۔
(٦) بحوالہ تفہیم القرآن' جلد پنجم' سورة الحشر۔
(۷) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر۔
(۸) سیرت النبی ﷺ' جلد ششم۔

منشّیات کے استعمال کے نقصانات

مولانا محمد حنیف جالندھری ☆

وطن عزیز پاکستان میں منشّیات کے استعمال کا رجحان بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے نوجوان نسل بالخصوص اور پوری قوم بالعموم بُری طرح سے متاثر ہو رہی ہے۔ منشّیات کے استعمال کی بنیادی وجہ دین سے دوری اور نشہ آور اشیاء کے استعمال کے نقصانات اور وعیدوں سے بے خبری ہے۔ حالات کا جبر' بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور روز افزوں مہنگائی بھی اس کا باعث بن رہی ہے' لیکن سب سے افسوسناک امر یہ ہے کہ اس وقت منشّیات کے استعمال کے بارے میں ہم بعض افسوسناک مخمصوں میں مبتلا ہیں۔ مثال کے طور پر شراب' جسے اُمّ الخبائث کہا گیا ہے' اس کے عادی افراد کی اجتماعی طور پر صفائی پیش کی جاتی ہے' انہیں ہر قسم کا تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اور جب کبھی بھی منشیات کا تذکرہ ہوتا ہے تو شراب' جو دینی' طبّی اور معاشرتی ہر حوالے سے خطرناک ترین نشہ ہے' اس کا سرے سے تذکرہ تک نہیں کیا جاتا۔ افیون' چرس اور دیگر منشیات کی ترسیل وتقسیم سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔

ہمارے ہاں سگریٹ سازی کی صنعت کو باقاعدہ قانونی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کس قدر مضحکہ خیز امر ہے کہ سگریٹ کی ڈبیہ پر ''خبردار! تمباکو نوشی صحت کے لیے مضر ہے'' جیسا وعظ تو رقم کیا جاتا ہے' لیکن سگریٹ سازی کی صنعت کو روکنے یا اس کی خرید وفروخت کے حوالے سے کسی قسم کی سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا۔ آج کے دور میں نوجوان نسل حتیٰ کہ لڑکیوں میں بھی شیشہ کا استعمال ایک فیشن بن کر رہ گیا ہے۔ جگہ جگہ شیشہ کلب کھل گئے ہیں' جو صرف منشیات کے استعمال ہی نہیں بلکہ دیگر بہت سی خرابیوں اور قباحتوں کے گڑھ بھی ہیں' لیکن ان کے خلاف نہ کوئی مؤثر ایکشن ہوتا ہے اور نہ ہی آپریشن۔

میڈیا پر باقاعدہ منشیات کے استعمال کی مختلف حیلے بہانوں سے ترغیب دی جاتی ہے۔

☆ ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کبھی سگار نوشی کو امارت کی نشانی باور کروایا جاتا ہے' کبھی سگریٹ نوشی کو پریشانی اور ڈپریشن کا تدارک خیال کیا جاتا ہے' کبھی اس سے ملتے جلتے دیگر مناظر دکھائے جاتے ہیں اور اشتہاری صنعت میں سگریٹ اور دیگر نشہ آور اشیاء کے باقاعدہ اشتہارات چلائے جاتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ وزارتِ انسدادِ منشیات کو منشیات پر کنٹرول کا ٹاسک بھی سونپا جاتا ہے۔ گاہے یوں لگتا ہے کہ ہمارے ہاں پانی ابالنے کے لیے کسی دیگچی میں ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا گیا ہے اور اس کو ٹھنڈا کرنے کے لیے آگ بجھانے کا خیال کسی کو نہیں آتا بلکہ اسے ٹھنڈا کرنے کے لیے وزارتِ انسدادِ منشیات کو برف کی ٹکڑیاں اس پانی میں ڈالنے پر مامور کر دیا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ جب تک منشیات کے استعمال کو رواج اور بڑھاوا دینے والے اسباب کا خاتمہ نہیں کیا جاتا اس وقت تک اس مسئلے کو کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اگر حکومت کی طرف سے اس معاملے میں سنجیدگی کا مظاہرہ کیا بھی جائے اور اس کے اصل اسباب کے تدارک کا اہتمام بھی ہو' تب بھی جب تک زندگی کے دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والوں بالخصوص علماء کرام اور منبر ومحراب کی طرف سے منشیات کی روک تھام کے لیے سنجیدہ کردار ادا کرنے کی ضرورت پر زور نہیں دیا جاتا اُس وقت تک اسے کسی طور پر کنٹرول نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ صرف حکومت نہیں بلکہ تمام طبقات بالخصوص میڈیا اور منبر ومحراب منشیات کے استعمال کے رجحانات کو کنٹرول کرنے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

اس سلسلے میں ذیل میں منشیات کے حوالے سے اسلامی اَحکام اور پاکستان کی صورتحال کی ایک دھندلی سی تصویر پیش کی جا رہی ہے' تاکہ اس کی روشنی میں تمام لوگ بالخصوص اہلِ علم اور اہلِ قلم اپنی تحریروں' تقریروں اور خطبات ومواعظ میں اس انسانی' اسلامی اور طبی مسئلے کو لازمی طور پر موضوعِ بحث بنائیں۔

منشیات کا استعمال اسلام کی نظر میں

منشیات ایک لعنت ہے' جو معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے منشیات سے پرہیز لازم ہے۔ قرآن اور حدیث میں ان کے استعمال سے سختی سے روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَیۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ
مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۹۰﴾﴾ (المائدۃ)

''اے ایمان والو! شراب‘ جوا‘ بُت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں‘ سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے منشیات کو دوسری خطرناک اور قابلِ نفرت شیطانی اعمال میں سے گنوایا ہے اور ہمیں ان سے پرہیز کرنے کے لیے کہا ہے۔ اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾﴾

''شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ تو تم (ان کاموں سے) باز آتے ہو (یا نہیں)؟''

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ یہ کس طرح شیطان کا ایک قابلِ نفرت عمل ہے‘ کیونکہ منشّیات دشمنی کے بیج بونے کے علاوہ آپ کو اپنے اصل مقصد یعنی ذکرِ الٰہی سے روکتی ہے اور ان کے زیر اثر آپ کا اپنے نفس پر کنٹرول ختم ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے بھی منشیات کے بارے میں کئی احادیث نقل ہوئی ہیں۔ مثلاً حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوْهُ ، فَاِنْ عَادَ فِي الرَّابِعَةِ فَاقْتُلُوْهُ)) (۱)

''جو کوئی شراب پیئے‘ اس کو دُرّے مارو اور اگر وہ چوتھی بار اس کا ارتکاب کرے تو اسے قتل کر دو۔''

حضرت جابر ؓ آگے فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو بعد میں آپ ﷺ کے سامنے لایا گیا جس نے چوتھی بار شراب پی لی تھی تو آپ ﷺ نے اس کو مارا مگر قتل نہیں کیا۔

مندرجہ ذیل احادیث واضح طور پر بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منشیات کی ممانعت فرمائی تھی:

(i) حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ، وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فِي الدُّنْيَا فَمَاتَ وَهُوَ يُدْمِنُهَا لَمْ يَتُبْ لَمْ يَشْرَبْهَا فِي الْآخِرَةِ)) (۲)

''ہر نشے والی چیز خمر ہے اور ہر نشے والی چیز حرام ہے۔ جو کوئی اس دنیا میں شراب پیتا ہے اور اسی حالت میں مرتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو وہ اگلے جہان میں اسے نہیں پیئے گا۔''

(ii) حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور رسول اللہ ﷺ سے ایک شراب کے بارے میں پوچھا جو ایک اناج سے نکالی جاتی تھی‘ جسے وہ اپنے ملک میں پیتے تھے اور اسے ''مزر'' کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا اس میں نشہ ہے؟'' تو اس نے جواب دیا: ہاں! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو کوئی نشہ آور چیز پیے گا تو اس کو **طينة الخبال** سے پلایا جائے گا''۔ انہوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ ''**طينة الخبال**'' کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہنمیوں کا پسینہ یا پیپ۔''(۳)

(iii) حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شراب پیئے گا اللہ تعالیٰ اُس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں کرے گا اور اگر وہ توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ اور اگر وہ دوبارہ پیتا ہے تو اللہ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرے گا‘ اور اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے گا۔ اور اگر وہ پھر پیتا ہے تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں کرے گا؟ اور اگر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا‘ اور اگر وہ چوتھی بار پیتا ہے تو اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں فرمائے گا اور اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں کرے گا اور اس کو دریائے خبال (جہنمیوں کی پیپ کے دریا) سے پلایا جائے گا۔'' (۴)

(iv) حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ ، مَا اَسْكَرَ الْفَرَقُ مِنْهُ فَمِلْءُ الْكَفِّ مِنْهُ حَرَامٌ)) (۵)

''ہر نشہ آور شے حرام ہے۔ جس چیز کا بڑا برتن نشہ طاری کرتا ہے اس کا ایک چُلّو بھی حرام ہے۔''

(v) حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ)) (۶)

''جو کوئی چیز بڑی مقدار میں نشہ دیتی ہے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔''

(vi) حضرت اُمّ سلمہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر نشہ آور اور مُفتِر (اعضاء کو بے حس کرنے والی) چیز سے منع فرمایا۔ (۷)

(vii) حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنَّانٌ وَلَا عَاقٌّ وَلَا مُدْمِنُ خَمْرٍ)) (۸)

''جنت میں داخل نہیں ہوگا احسان جتلانے والا' والدین کے حقوق فراموش کرنے والا اور دائمی شراب پینے والا۔''

(viii) حضرت ابوہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مُدْمِنُ الْخَمْرِ کَعَابِدِ وَثَنٍ)) (۹)

''دائمی شراب پینے والا بتوں کی پوجا کرنے والے ÔÅ # ہے۔''

اس طرح کی متعدد احادیث میں منشیات کی ممانعت آئی ہے اور ان کی قباحت بیان ہوئی ہے۔ سکالرز اور علماء کرام نے بھی منشیات کے برے اثرات پر دُنیوی و مذہبی نقطہ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔

علامہ ابن حجر ؒ نے کئی سکالرز سے حشیش استعمال کرنے کے ۱۲۰ دُنیوی اور روحانی نقصانات روایت کیے ہیں۔

ابن سینا کہتے ہیں کہ ان کی بڑی مقدار منی کو خشک کرتی ہے اور اس طرح آدمی کے جنسی جذبہ کو ختم کرتی ہے۔

ابن بیطار کہتے ہیں کہ لوگوں کے ایک گروپ نے منشیات کا استعمال کیا اور وہ پاگل ہو گئے۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں جو نقصانات شراب میں شامل ہیں اس سے زیادہ حشیش میں شامل ہیں' کیونکہ شراب کے اکثر نقصانات دین کو متاثر کرتے ہیں مگر حشیش دین اور جسم دونوں کو متاثر کرتی ہے۔

الغرض منشیات جرائم ہیں اور ان سے احتراز لازم ہے۔ یہ لوگوں کی زندگیوں کو جسمانی' ذہنی' اخلاقی اور روحانی طور پر تباہ کرتی ہیں۔

منشیات اور پاکستان کی صورتحال......حقائق اور اعداد و شمار کی روشنی میں

۱) اگرچہ اس وبا کا اصل منبع ہمارا پڑوسی ملک افغانستان ہے' تاہم اس کی منشیات کی پیداوار (ہیروئن) کا تقریباً ۴۴ فیصد پاکستان کے راستے دوسرے ممالک کو سمگل ہوتا ہے' جبکہ اس کا ایک بڑا حصہ (تقریباً ۲۵ فیصد) یہیں پاکستان میں رہ جاتا ہے جس کو ہمارے مقامی لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح سے منشیات کا دھندہ اور اس کا بڑھتا ہوا استعمال ایک وبا اور چیلنج کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ منشیات کے عادی لوگوں میں ۶۰ فیصد لوگوں کی عمر ۱۵ تا ۳۰ سال کے درمیان ہے' جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ منشیات کی بڑھتی ہوئی لعنت کس طرح ہماری نوجوان اور

آنے والی نسلوں کے لیے زہر قاتل ثابت ہو رہی ہے۔

۲) پاکستان میں نشہ کے لیے زیادہ تر چرس' کیمیائی ادویات جیسے ڈائیز اپام' ہیروئن اور گٹکا وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نشہ کے عادی لوگوں کی ایک کثیر تعداد ٹیکے کے ذریعے ادویات کا استعمال کرتی ہے۔ وہ آپس میں مشترکہ سرنج کا استعمال کرتے ہیں جس کی وجہ سے یرقان اور ایڈز کے امراض لاحق ہو جاتے ہیں۔ ایک حالیہ سٹڈی سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ پاکستان میں تقریباً ایک لاکھ کے قریب ایچ آئی وی ایڈز کے مریض ہیں' جن میں سے ۲۷ فیصد ٹیکے کے ذریعے نشہ آور ادویات کا استعمال کرنے والے ہیں۔ ٹیکہ کا استعمال جسم کے اہم اعضاء جیسے گردہ اور جگر وغیرہ کو بھی متاثر کرتا ہے اور ٹیکے کے ذریعے نشہ آور ادویات کا استعمال کرنے والے تھوڑے ہی عرصہ میں معمول کی زندگی گزارنے کے قابل نہیں رہتے۔

۳) نشہ آور ادویات کا استعمال خواتین میں بھی برابر پھیل رہا ہے۔ وزارتِ انسدادِ منشیات کے تحت کرائی گئی ایک حالیہ سٹڈی کے مطابق نشے کی عادی خواتین میں ۶۸ فیصد پڑھی لکھی ہیں' جبکہ ۳۸ فیصد تو یونیورسٹی اور کالج گریجویٹ ہیں۔ خواتین کو نشہ آور ادویات کی بہم رسانی زیادہ تر ان کے خاوند' والد' سسر' بھائیوں اور ہمسائیوں کے ذریعے ہوتی ہے۔ ان میں سے ۷۰ فیصد خواتین شوقیہ یا دوستوں کی وجہ سے نشہ کرنے لگی ہیں۔ لڑکیوں اور لڑکوں کے ہاسٹل نشہ بیچنے والوں کے زیادہ شکار ہوتے ہیں جو ان کو ان کی دہلیز پر نشہ آور اشیاء بہم پہنچاتے ہیں۔ شیشے کا استعمال نوجوان نسل کے لیے ایک نئے خطرے کے طور پر سامنے آ رہا ہے اور یہ مرد و زن ہر دو میں مقبول ہے۔ گروپ کی صورت میں ۴۰ منٹ تک شیشہ پینا ۲۰۰ سگریٹ کا دھواں اپنے اندر لے جانے کے برابر ہے۔ تپ دق کے مرض کا پاکستان میں دوبارہ سے پیدا ہو جانے کی ایک وجہ شیشے کا استعمال بھی ہے۔

۴) مطالعاتی تجزیہ بتاتا ہے کہ جن نوجوانوں میں مندرجہ ذیل علامات پائی جاتی ہوں وہ نشہ کی طرف مائل ہو سکتے ہیں: i) غصیلہ پن۔ ii) اسکول کے امتحانات میں فیل ہونا۔ iii) اسکول سے غیر حاضر رہنا۔ iv) جسمانی ساخت میں تبدیلی آ جانا۔ v) سونے کی عادات میں تبدیلی آ جانا۔ vi) رقم کی طلب یا معمول سے زیادہ رقم کا پاس ہونا۔ اس لیے کہ پہلے پہل تو والدین بچے پر توجہ نہیں دیتے اور جب ان کو بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بچہ نشہ آور ادویات کا استعمال کر رہا ہے تو وہ اس پر پابندیاں لگا دیتے ہیں اور رقم دینا بھی بند کر دیتے ہیں' جس کے

نتیجے میں بچے کے اندر پیسے اور گھر سے دیگر اشیاء چوری کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اس طرح تمام کنبہ متاثر ہو جاتا ہے اور اس کے چھوٹے بہن بھائی بھی بڑے کی نقل کرتے ہوئے نشہ کرنے لگ جاتے ہیں۔

۵) چونکہ ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے اور ایجنسیاں گلیوں اور بازاروں میں عام لوگوں تک نشہ آور ادویات کی سپلائی کو کنٹرول نہیں کر سکے اس لیے ہم اور کمیونٹی کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے علاقہ اور قرب وجوار میں نشہ کی ترسیل اور استعمال کرنے والوں پر نگاہ رکھیں اور اس کی خرید وفروخت کو روکیں۔ چونکہ ہمارے دین اسلام میں نشہ حرام ہے اس لیے علماء حضرات کی ذمہ داری بھی کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ (نشہ کی حرمت سے متعلق قرآنی آیات واحادیث کے اقتباسات شامل مضمون ہیں۔) علماء حضرات جمعہ کے خطبوں کے ذریعے اس پیغام کو عوام تک پہنچا کر ہماری نوجوان نسل کو نشہ کے مضر اثرات سے محفوظ بنا سکتے ہیں۔ مساجد کے علماء حضرات سے یہ بھی گزارش ہے کہ وہ والدین کو متنبہ فرمائیں کہ وہ اپنے بچوں کی طرف توجہ دیں اور کچھ وقت ان کے ساتھ بھی گزاریں تاکہ وہ راہِ راست پر رہیں اور اپنی تعلیم پر توجہ مرکوز رکھیں۔

اسلامی تعلیمات اور طبی نقصانات کے اس مختصر سے جائزے کے بعد سب سے پہلے تو ہم:

(ا) حکومت سے گزارش کریں گے کہ وہ منشیات کی روک تھام کے لیے مستقل بنیادوں پر پالیسی وضع کرے‘ دور رس نتائج واثرات کے حامل اقدامات اٹھائے اور منشیات کی کثرت کے اصل اسباب کے تدارک کی فکر کرے۔ اس ضمن میں محض وعظ وتلقین پر اکتفا نہ کرے بلکہ سخت اقدامات اٹھائے۔

(ب) والدین اور بچوں کے سرپرستوں کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت اور نگرانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں اور ان کو دینی تعلیمات بالخصوص منشیات کے استعمال کے نقصانات عواقب سے ضرور آگاہ کریں۔

(ج) میڈیا اور ذرائع ابلاغ سے وابستہ افراد پر لازم ہے کہ وہ بھی اس سیلابِ بلاخیز کو روکنے کے لیے اپنی اور اپنے ذرائع ابلاغ کی حیثیت کو مکمل طور پر استعمال کریں۔ کسی ٹی وی پروگرام یا ڈرامے وغیرہ کے ذریعے سے کسی طور پر حتیٰ کہ بین السطور میں بھی یہ پیغام نسل نو کی طرف نہیں جانا چاہیے کہ وہ منشیات میں کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار کریں۔

(د) تعلیمی اداروں کے اساتذہ کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ قوم کے بچے اور بچیاں‘ ان کا

کردار اور ان کا مستقبل ان اداروں اور اساتذہ کے پاس امانت ہوتا ہے‘ لہٰذا وہ اس کی مکمل پاسبانی کا اہتمام کریں اور کوئی ایسا چور دروازہ باقی نہ رہنے دیں جہاں سے کسی کے بچے یا بچی کو نشے کی لت پڑ سکے۔

(۶) اور سب سے اہم اور بھاری ذمہ داری حضرات علماء کرام پر عائد ہوتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے علماء کرام کا تمام دینی اور سماجی حلقوں میں ایک خاص مقام ہے‘ لوگ ان کی بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں‘ مستقبل کی قیادت ان علماء کرام کے زیر اثر پروان چڑھتی ہے‘ اس لیے علماء کرام کو چاہیے کہ وہ اسے دینی فریضہ سمجھتے ہوئے اپنے حلقہ اثر کے مدارس وعلماء‘ عوام الناس اور منبر ومحراب کو اس لعنت سے چھٹکارے کے لیے استعمال فرمائیں۔

حواشی

(۱) سنن الترمذی ' ابواب الحدود 'باب ما جاء من شرب الخمر فاجلدوه ......

(۲) صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب بیان ان کل مسکر خمر وان کل خمر حرام۔ وسنن الترمذی' ابواب الاشربة ، باب ما جاء فی شارب الخمر۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الاشربة' باب بیان ان کل مسکر خمر وان کل خمر حرام۔

(۴) سنن الترمذی' ابواب الاشربة' باب ما جاء فی شارب الخمر۔

(۵) سنن الترمذی' ابواب الاشربة' باب ما جاء ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔

(۶) سنن الترمذی' ابواب الاشربة' باب ما جاء ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام۔ وسنن ابی داوٗد' کتاب الاشربة' باب النهی عن المسکر۔

(۷) سنن ابی داوٗد' کتاب الاشربة' باب النهی عن المسکر۔

(۸) سنن النسائی' کتاب الاشربة' باب الروایة فی المدنین فی الخمر۔ ومسند احمد' ح:۶۵۸۷۔

(۹) سنن ابن ماجه 'کتاب الاشربة' باب مد من الخمر۔

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا

معرکہ عقل اور وحی

راحیل گوہر

ابتدائے آفرینش سے ہی انسان اپنی ذات کی تلاش میں سرگرداں ہے‘ لیکن ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا‘ بلکہ وہ تو اب تک یہ بھی نہ جان سکا کہ اسے دنیا میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ اس عالمِ رنگ و بُو میں اس کا مقام کیا ہے؟ اس کی زندگی کا کیا ہدف ہے؟ اور خالق کائنات سے اس کے رشتے کی نوعیت اور غرض و غایت کیا ہے؟ ہر دور کے دانشور اور معاشرے کے ذہین و فطین افراد اس حقیقت کی کھوج میں رہے ہیں — مگر ’’ہنوز دلّی دور است‘‘ کے مصداق وہ آج بھی تجسس و تفکر کے دائروں میں ہی سفر کر رہے ہیں۔ ان کے عقل و قیاس کی پروازیں انہیں مختلف وادیوں میں بھٹکا کر لے جاتی ہیں۔ بقول شاعر ؎

قافلے ریت ہوئے دشتِ جنوں میں کتنے
پھر بھی آوارہ مزاجوں کا سفر جاری ہے!

سید قطب شہیدؒ ’’المُستقبل لِھٰذا الدِّین‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’ہم انسانی عقل کے بارے میں ایک بہت بڑے فریب کا شکار ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جس عقل نے ہوائی جہاز اور راکٹ ایجاد کیے ہیں‘ ذرے کو توڑ کر ایٹم بنا لیا ہے اور قوانینِ طبعی کی معرفت حاصل کر لی ہے‘ وہی عقل اس بات کے لیے بھی موزوں تر ہے کہ ہم حیاتِ انسانی کے نظام کو وضع کرنے کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد کر دیں‘ تاکہ وہی تصورات و اعتقادات کے قواعد اور اخلاق و کردار کی بنیادیں وضع کرے۔ لیکن عقل جب مادی دنیا میں کام کرتی ہے تو وہ ایک ایسی دنیا میں کام کرتی ہے جس کے قوانین کو وہ سمجھ سکتی ہے۔ جب وہ انسانی دنیا میں کام کرتی ہے تو وہ ظن و تخمین سے کام لیتی ہے‘ کیونکہ وہ اس دنیا کی پیچیدہ حقیقتوں کے ادراک سے عاری ہے۔‘‘

حقیقت یہی ہے کہ کوئی شخص مجرد عقل کی بنیاد پر تراشے ہوئے افکار و نظریات کے بل پر اپنی ذات میں پوشیدہ عالمِ اصغر کی صداقتوں کو نہیں پا سکتا۔ البتہ اس گردِ سفر میں گم ہو کر اس

(عقل) نے کئی فلسفوں اور مکاتبِ فکر کی عمارتیں کھڑی کر دیں اور اس کے اس فکری خلجان نے خود اس کو ان غلام گردشوں میں لا پٹخا جو انسانیت کے لیے مزید اضطراب‘ بے چینی اور روحانی صعوبتوں کا باعث ثابت ہوا۔ تاریخ انسانی کے آئینہ سے گرد صاف کریں تو سترہویں صدی اور اٹھارہویں صدی کی وہ تصویر عیاں ہو کر سامنے آتی ہے جس میں کلیسا کے تنگ نظر اور متعصب پادریوں کا چہرہ نمایاں ہوتا ہے۔ یہ دوران کے ظلم و استبداد کا زمانہ تھا۔ بادشاہ اور کلیسا کے گٹھ جوڑ (Alliance) نے عوام کی سوچ‘ رائے زنی اور سائنسی حقائق سے استفادہ پر قدغنیں عائد کی ہوئی تھیں اور کلیسا کے اصول و قوانین کے خلاف کسی عقلی اور سائنسی انکشاف کو پیش کرنا ناقابلِ معافی جرم تھا۔ کلیسا کے اس فرسودہ اور ظالمانہ رویہ کے خلاف جس نے بھی آواز اٹھائی اسے بزورِ طاقت دبا دیا گیا۔ گلیلیو‘ برونو اور کتنے ہی اور کلیسا کی تعذیب کا شکار ہوئے۔

امریکی دانشور اور فلسفی ولیم ڈیورانٹ (William Durant) اپنی کتاب The Story of Civilization میں لکھتا ہے کہ ۱۴۸۰ء سے ۱۴۸۸ء کے دوران کلیسا نے ۸,۸۰۰ افراد کو کھمبوں سے باندھ کر زندہ جلا دیا اور ۹۶,۴۰۰ افراد کو دردناک سزائیں دیں۔ ۱۴۸۰ء سے ۱۸۰۸ء کے مکمل عہد کا اندازہ لگایا جائے تو یہ تعداد ۳۲,۰۰۰ دردناک اموات اور ۲۹۱,۰۰۰ افراد کو تعذیب و تشدد اور قید کی سزاؤں تک پہنچ جاتی ہے۔ مشاہدہ یہ بتاتا ہے کہ تشدد سے تشدد جنم لیتا ہے اور دباؤ حد سے تجاوز کر جائے تو دھماکہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہی ہوا۔ دباؤ اور حبس (suffocation) ناقابل برداشت ہو گیا تو انسانی فکر و عمل میں دھماکہ ہوا اور اس کے تابکاری اثرات نے بادشاہ اور کلیسا کے ظالمانہ اور بہیمانہ نظام کو جلا کر خاکستر کر دیا‘ اور اس کی راکھ تلے دبی چنگاریوں نے بھڑک کر شعلہ کی شکل اختیار کر لی اور اس شعلۂ جوّالہ نے جدیدیت کو جنم دیا جو ایک دوسری انتہا بن کر دنیا کے افق پر نمودار ہوئی۔ توازن و اعتدال نہ کلیسا و حکومت کے مزاج میں تھا اور نہ ہی اس کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کرنے والے سودائیوں کے قلوب و اذہان میں جگہ پا سکا۔ جدیدیت جن مفکرین کے ذہنوں کی اختراع تھی ان میں فرانسس بیکن‘ تھامس ہابز اور رینے ڈیکارٹ کے نام نمایاں ہیں۔ ان مفکرین کا نقطہ نظر یہ تھا کہ کائنات کے وہ حقائق جو سائنس اور تجربات و مشاہدات کے ذریعے سے ثابت ہو جائیں بس وہی قابلِ اعتبار ہیں‘ اور اس یافت میں کسی ماورا ہستی کے دخیل ہونے کا کوئی جواز نہیں۔ جب عقل و فہم اور سائنس کے مروّجہ اصول ایک حقیقت کو ثابت کر رہے ہوں تو پھر کسی قادرِ مطلق ہستی کی ضرورت باقی

نہیں رہتی۔ گویا وجودِ باری تعالیٰ کو خارج از بحث سمجھا جائے۔ یا یوں سمجھ لیں کہ خودشعوری کا عمل اور اپنے میلانِ طبع کا اطمینان سچائی اور حقائق کی کنہ تک پہنچنے کا واحد اور یقینی راستہ ہے۔

محمد حسن عسکری لکھتے ہیں:

’’جدیدیت کا اصل اصول مروّجہ اقدار سے انحراف ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ مذہب سے اخلاقیات‘ معاشیات‘ سیاسیات اور ان کے مروّجہ علومِ صحیحہ تک بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی اقدار کو غلط اور ناکارہ ثابت کیا جائے۔ جدیدیت کا خاصہ یہ ہے کہ جو شے مشاہدے‘ محسوسات اور عقل وفہم سے ماوراء ہے وہ ناقابل بھروسہ ہے—اس لیے مذہب کی تعلیم کا اس میں کوئی کردار نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

کہ: ع ’’لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی!‘‘ ان عقلی سحر آمیزیوں کے تناور درخت سے جو برگ و بار پھوٹے ان سے حیاتِ انسانی کے ہر گوشے میں ایک بے خدا تہذیب سرایت کر گئی۔ چنانچہ سماجی کینوس پر آزادی کا تصور نمایاں ہوا۔ والٹر نے مذہب سے مکمل طور پر بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرد کی ایسی حریت کا تصور دیا جو ہر طرح کی قید و بند سے آزادی کا تصور تھا۔ سیاسی امور میں قوم پرستی‘ قومی ریاست اور دورِ جدید کی جمہوریت کا نظریہ سامنے آیا۔ پھر اسی جمہوریت کی کوکھ سے مارکسی فلسفہ پیدا ہوا‘ جو ایک ایسے معاشرے کا نقشہ پیش کرتا ہے جس میں برتری اور تفوق ایک محنت کش کو ہی حاصل ہو۔ گویا آجر اور مستأجر کے مابین ایک علّتِ نزاع کا راستہ کھل گیا۔ یہ وہی مارکس ہے جس نے کہا تھا کہ مذہب قوموں کی افیون ہے اور چند کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ اخلاقی سطح پر جنسی آزادی اور آزادیٔ نسواں کا پرچار ہوا۔ سماج میں عریانیت اور بدکاری سے لے کر ہم جنس پرستی کے مظاہر اسی بیج سے پھوٹے ہیں۔ سائنس سے قطع نظر نظریۂ ارتقاء اور تاریخ کی جدلیاتی مادی تعبیر (Dialectic Materialism) اسی کا نتیجہ ہے۔ فرائڈ کا کہنا ہے کہ مذہب انسان کی محرومی اور ناکامی کی پیداوار ہے۔ یہ انسان کی ذہنی کج روی اور غلط سمت میں گامزن زندگی کا سفر ہے‘ جس نے انسانی تاریخ میں گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ اور آج بھی یہی نظریات انسانی ذہنوں کو مسخ کر کے ان کی حیاتِ دنیوی میں زہر گھول رہے ہیں۔ اس لیے کہ مرعوبیت اور مغلوبیت تقلید کی راہیں ہموار کرتی ہیں۔ نتیجتاً اسی بے خدا تہذیب سے پھیلی ہوئی فسوں کاری نے علمِ انسانیت کو بدحواس کیا ہوا ہے‘ کیونکہ انسانی حسیات کے ذریعہ دریافت کی ہوئی معلومات اکثر و بیشتر خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ہوتیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ عقل کو اگر صحیح سمت میں استعمال کیا جائے تو انسان پر اس کائنات

کے بیشتر سربستہ راز ہی آشکارا نہیں ہوتے بلکہ اس کی دنیاوی زندگی کی مقصدیت بھی واضح ہو جاتی ہے اور واہمے اور ضعیف الاعتقادیوں کی دھند صاف ہونے لگتی ہے۔ قرآن حکیم نے کئی مقامات پر اپنی آیات میں بار بار عقل کو استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے کہ زندگی کے تمام معاملات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھو اور معقول اور معتدل روش اختیار کرو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾﴾

’’بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے باری باری آنے جانے میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔‘‘

ایک اور مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَ فِی الۡاَرۡضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّ زَرۡعٌ وَّ نَخِیۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّ غَیۡرُ صِنۡوَانٍ یُّسۡقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۟ وَ نُفَضِّلُ بَعۡضَہَا عَلٰی بَعۡضٍ فِی الۡاُکُلِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾﴾ (الرعد)

’’اور زمین میں کئی قطعات ہیں جو باہم ملے ہوئے ہیں‘ اور انگور کے باغات‘ کھیتی اور کھجوریں ہیں‘ جن میں سے کچھ جڑ سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اور کچھ نہیں ملی ہوتیں (ان کو) ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے‘ مگر ذائقہ میں ہم کسی ایک کو دوسرے سے بہتر بنا دیتے ہیں۔ ان چیزوں میں بھی اہلِ عقل کے لیے نشانیاں ہیں۔‘‘

عقل کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے کچھ یوں فرمایا:

﴿قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۹﴾﴾ (الزمر)

’’ان سے پوچھیے کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ مگر ان باتوں سے سبق تو وہی حاصل کرتے ہیں جو اہلِ عقل ہیں۔‘‘

حکمت کا حصول بھی عقل صحیح کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ اس بات کو واضح کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہوا:

﴿یُّؤۡتِی الۡحِکۡمَۃَ مَنۡ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۲۶۹﴾﴾

’’اور وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے‘ اور جسے حکمت مل گئی اسے تو گویا بہت بڑی دولت مل گئی۔ اور ان باتوں سے صرف عقلمند لوگ ہی سبق حاصل کرتے ہیں۔‘‘

اسلام دنیا کا واحد دین ہے جس کی دعوت سراسر عقلی بنیادوں پر ہے اور انسانی مزاج کو اپیل کرتی ہے۔ یہ کوئی فلسفیانہ دین نہیں ہے اور نہ ہی کسی شخصیت اور کردار کا حوالہ ہے‘ بلکہ اسلام تو ایک ٹھوس اور جامع فکر اور طرزِ زندگی کا نام ہے۔ اسلام انسانوں کو عقل استعمال کرنے کی پُرزور دعوت دیتا ہے اور ہر معاملے کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ اس کائنات کا مسلّمہ اصول ہے کہ ہر شے کا ایک مخصوص اور محدود دائرۂ اختیار ہے۔ جس طرح انسانی علم کے متعلق ارشادِ ربانی ہے کہ:

﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ﴾ (البقرۃ:۲۵۵)

’’وہ اللہ کے علم میں سے کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے مگر اتنا ہی جتنا وہ خود چاہے۔‘‘

بعینہٖ عقل انسانی کا بھی ایک معیّن دائرہ کار ہے اور اس دائرے سے نکلنا انسانی بساط سے باہر ہے۔ انسان کے فکر و عمل میں فساد اور بگاڑ جب ہی پیدا ہوتا ہے جب وہ محض اپنی عقل کو زندگی کے اجتماعی اور انفرادی معاملات اور پیچیدگیوں کے مکمل حل کے لیے کسوٹی سمجھ لیتا ہے اور کسی ماورائی ہستی کا وجود اس کے لیے بے معنی اور بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اس کی مثال اس گھوڑے کی مانند ہے جو ایک ایسے کھونٹے سے بندھا ہوتا ہے جس کے ساتھ بندھی رسی اس کو ایک محدود دائرے ہی میں گھومنے کی اجازت دیتی ہے۔ ثابت یہ ہوا کہ عقل کی حد بھی ایک خاص مقام پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے‘ اور پھر یہ وہی نقطہ آغاز (starting point) ہے جہاں سے وحی اپنا کام شروع کرتی ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر عقل انسانی کا عاجز ہو جانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ یہاں اسے کسی ایسی بلند و بالا ہستی کی تائید و نصرت درکار ہے جو ہر شئے پر قادر ہو اور جس کی حکومت و سلطنت کی کوئی حد و انتہا نہ ہو۔ جس کی بادشاہت اور جس کا اقتدار زمان و مکاں کی قید سے وراء الوراء ہو۔ اس ہستی کے لیے وقت اور فاصلہ بے معنی ہو۔ اور وہ ذاتِ یکتا اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ہے جو وحی کے ذریعہ سے انسانوں کی رہنمائی کرتی ہے اور انہیں انتشار و افتراق اور تذبذب و بے یقینی کی کیفیت سے بچا کر یقین کامل عطا کرتی ہے۔ اپنی اس ہدایت کاملہ کو اپنے بندوں تک پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان ہی کے معاشرے میں سے کچھ لوگوں کو منتخب کیا تا کہ لسانی‘ ذہنی اور معاشرتی ہم آہنگی ہدایت کی ترسیل کو آسان بنا دے۔

وحی وہ خورشید ہدایت ہے جس کی روشنی منزل بہ منزل اپنے دائرے کو وسیع کرتی جاتی ہے تا کہ انسان کی حیاتِ دُنیوی کا ہر گوشہ اس کے سامنے روشن اور واضح ہوتا چلا جائے اور وہ اللہ کا مطلوب انسان بن جائے۔

انسان کی بدقسمتی یہ ہے کہ اُس نے وحی جیسی الہامی ہدایات کو اپنی عقل و فہم کا مخالف سمجھا ہے‘ جب کہ وحی پر ایمان اور ایقان ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس میں تردّد اور بے یقینی کا ذرہ برابر بھی امکان نہیں۔ قرآن حکیم میں وحی پر یقین کامل کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اللہ نے وحی کی اور موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ﴿۳۹﴾﴾ (طٰہٰ)

’’اور یاد کرو (ہم نے تم پر یہ بھی احسان کیا) جب ہم نے تمہاری ماں کی طرف وحی کی (جو اس کے دل میں ڈال دی گئی) کہ اس بچے (موسیٰ) کو صندوق میں رکھو اور پھر اس کو دریا میں ڈال دو‘ پھر دریا اس صندوق کو ساحل پر پھینک دے گا جسے میرا اور موسیٰ کا دشمن اٹھا لے گا۔ پھر (اے موسیٰ) میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی‘ اور یہ اس لیے کہ میری نگرانی میں تمہاری تربیت ہو۔‘‘

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا وحی کے مطابق عمل کرنا ان کے وحی پر ایمان کامل کی دلیل ہے کہ انھوں نے شیر خوار بچے کو دریا کے سپرد کر دیا اور ان کے دل میں تذبذب کا شائبہ بھی نہیں پیدا ہوا۔

عقلِ انسانی اور وحی الٰہی دونوں انسان کی دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر عقلِ انسانی کی کوئی حیثیت نہ ہوتی تو قرآن ہرگز اتنے شدّومد سے اسے استعمال کرنے کی تاکید نہ کرتا۔ عقل کے بغیر وحی کی صداقت کی شناخت نہیں ہو سکتی اور عقل کے بغیر حق و صداقت کا منزّل من اللہ ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ عقل اور وحی کے مابین جو چیز باعث نزاع ہے وہ عقل کو مطلق ایمان و یقین کا درجہ دینا ہے کہ زندگی کے تمام اسرار و رموز کو سمجھنا اور ان سے نمٹنا محض عقل کے ذریعے ممکن ہے اور جسے عقل تجربے اور مشاہدے سے ثابت کر دے وہی اصل حقیقت ہے۔ اس نظریے یعنی خدا کے انکار‘ کائنات کا اتفاقاً عالَمِ وجود میں آ جانا‘ مرنے کے بعد مٹی میں رل مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر حیرت و تعجب کا اظہار اسی

جدید فکر کے تحفے ہیں۔ اس طرزِ فکر کے انسانوں کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

﴿وَقَالُوْا مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾﴾ (الجاثیة)

’’یہ لوگ کہتے ہیں بس ہماری یہی دنیا ہی کی زندگی ہے‘ ہم خود مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ حالانکہ ان باتوں کا انہیں کچھ علم نہیں۔ یہ محض ظن سے باتیں کرتے ہیں۔‘‘

چنانچہ عقلِ صحیح اور فکرِ سلیم کا استعمال ہی زندگی کی گتھیوں کو سلجھانے کا واحد طریقہ ہے۔ اور جس مرحلے پر عقلِ انسانی مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے میں ناکام ہو جائے وہاں وحی الٰہی کی روشنی میں الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے کی کوشش کرے‘ ورنہ عقل کی بساط پر پھیلی ہوئی فکری اور عملی گمراہیاں انسان کو صراطِ مستقیم سے بھٹکاتی رہیں گی اور رہی ہیں۔ فکرِ انسانی کی تاریخ کے آئینے میں اس حقیقت کے خدوخال نمایاں طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ قانونِ فطرت ہے کہ کسی بھی شے کو اپنے لیے مفید اسی صورت بنایا جا سکتا ہے کہ اس کا استعمال قطعی درست اور اس شئے کے مزاج کے عین مطابق ہو‘ ورنہ کبھی امرت بھی انسان کے لیے زہر بن جاتا ہے۔

اسلام ایک الہامی نظریہ (Revealed Ideology) اور آفاقی قدروں کا دین ہے۔ اس وسیع و بسیط کائنات کی ظاہری اور مخفی صداقتوں پر مشتمل ایک مکمل ضابطہ حیات ہے‘ جسے خالقِ کائنات نے اپنے رسولِ مکرم ﷺ کے واسطے سے ظلمت و گمراہی میں ڈوبی شعور و بصیرت سے محروم انسانیت تک پہنچایا اور اپنے کلام کے انوار و تجلیات کی ضیا پاش کرنوں سے اندھیروں میں بھٹکتے انسانوں کو صراطِ مستقیم کی روشنی عطا کی۔ بفحوائے قرآنی:

﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۜ﴾ (البقرۃ:٢٥٥)

’’اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے‘ وہ انہیں (کفر و شرک کے) اندھیروں سے نکال کر (اسلام کی) روشنی کی طرف لے آتا ہے۔‘‘

اسلام رنگ و نسل‘ ذات برادری‘ طبقاتی کشمکش اور سماجی رسم و رواج کی بندشوں سے ماوراء انسانی حریت و مساوات کا عالمگیر پیغام ہے۔ اور اس دین ہی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ خالقِ کون و مکاں نے اس کو قبولیت کی سند عطا کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۟﴾ (آل عمران:١٩) ’’بے شک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے‘‘۔ مصورِ

کائنات نے اپنی تمام مخلوقات میں سے صرف انسان کو احسنِ تقویم کا اعزاز بخشا ہے جس کا مقصدِ تخلیق اپنے خالق و مالک کی عبادت و پرستش کرنا ہے۔ بفحوائے قرآنی: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾﴾ (الذاریات) ’’اور ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے‘‘۔ اور اس پرستش و اطاعت کے عوض پوری کائنات کو انسان کے لیے مسخر کر دیا۔ انسان میں تعقّل و تفکّر اور تجسس و تحیّر کے میلانات پیدا کر کے قدرت نے خود کو حجاب کے دبیز پردوں میں مستور کر لیا۔ لیکن بقول اقبال: ع

’’کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے!‘‘

کے مصداق ان پردوں کو اُٹھانے اور اپنی معرفت کے ادراک کے لیے قدرت نے انسانوں کی رہنمائی کی غرض سے انبیاء و رسل کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ ان سعید روحوں نے گمراہی‘ لاعلمی اور بے بصیرتی کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے انسانوں کو صراطِ مستقیم کی پہچان کروائی۔ اگر انسان اس دنیا کے بکھیڑوں اور اس کی نیرنگیوں میں رہ کر ان راستوں پر چلنا چاہتا ہے جو انبیاء و رسل کا پیش کیا ہوا حق و صداقت کا راستہ ہے تو یہ انتہائی ضروری اور ناگزیر ہے کہ اپنی عقل کو وحی کے تابع بنا دے۔ یہی اللہ کی معرفت اور اپنی ذات کی شناخت کا بہترین ذریعہ ہے‘ کیونکہ جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اُس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ ع

خودی کا سرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ!

❁❁❁

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 45 روپے اشاعت عام: 25 روپے

کھانے پینے کے آداب

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

اسلام چند مخصوص عبادات کا نام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ اس میں ایک مسلمان کے لیے زندگی گزارنے کا بہترین انداز بتایا گیا ہے۔ یہ انداز جامع طور پر واضح کرنے کے لیے ضابطہ حیات قرآن مجید کی صورت میں حضرت محمدﷺ پر نازل کیا گیا اور اس کے متن کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی۔ چنانچہ نزول کے وقت سے لے کر آج تک یہ اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ مزید برآں رسول اللہﷺ کی زندگی کو اُسوۂ حسنہ بنایا گیا۔ اب کسی شخص کے لیے اندازِ زندگی اختیار کرنے میں کوئی مشکل نہیں، یعنی جو اندازِ زندگی آپﷺ نے اپنایا ہے یا اپنانے کا حکم دیا ہے وہ معیاری، پسندیدہ اور قابل قبول ہے۔

رسول اللہﷺ نے جہاں بڑے بڑے اصول بتائے ہیں، وہاں زندگی میں پیش آنے والی ہر صورت حال میں عملی نمونہ پیش کر دیا ہے۔ آپﷺ نے جامع انداز میں حقوق اللہ اور حقوق العباد واضح کیے ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ پانچ بنائے اسلام کی اہمیت کے علاوہ لباس، خوراک، خوشگوار گھریلو زندگی، اخوت، لین دین، گفتگو، نشست و برخاست، فضائلِ اعمال، رذائلِ اخلاق اور صلح و جنگ کے اصولوں کا بھی عملی نمونہ پیش کر دیا ہے۔ آپﷺ کے پیش کردہ طریقوں میں سے یہاں کھانے پینے کے آداب کا تذکرہ مطلوب ہے۔

کھانا پینا ہر شخص کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں اسلامی تعلیم یہ ہے کہ بھوک کے بغیر کھانا نہ کھایا جائے اور ابھی اشتہا باقی ہو تو کھانا چھوڑ دیا جائے۔ یہ وہ اصول ہے کہ کسی کو اس میں اختلاف نہیں، بلکہ سب لوگ اس کے اچھے نتائج کے معترف ہیں۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ’’ابن آدم کے لیے چند لقمے ہی کافی ہیں جن سے اس کی کمر سیدھی رہے۔ اگر زیادہ ہی ضروری ہو تو پھر تہائی پیٹ کھانا کھانا چاہیے۔ تہائی حصہ پانی کے لیے اور تہائی حصہ سانس لینے کے لیے ہے۔‘‘ (مسند احمد) صاحبِ علم دانا لوگوں کا کہنا ہے کہ صحت کے لیے تین چیزیں بہت مفید ہیں:

کم بولنا، کم کھانا اور کم سونا۔

چُھری کانٹے کی بجائے ہاتھ سے کھانا افضل ہے۔ ظاہر ہے کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے ہاتھوں کو اچھی طرح دھو لینا چاہیے تاکہ آدمی اطمینان اور نظافت کے ساتھ کھانا کھائے۔ سیدنا سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے کی برکت یہ ہے کہ اس سے پہلے وضو کیا جائے۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا: ’’کھانے کی برکت اس میں ہے کہ کھانے سے پہلے بھی اور کھانے کے بعد بھی وضو کر لے۔ یعنی ہاتھ دھوئے اور کُلّی کرے۔‘‘ (سنن ابی داوٗد)

اسلام کی عام تعلیم ہے کہ ہر جائز کام کے آغاز میں بسم اللہ پڑھ لی جائے۔ چنانچہ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی جائے تاکہ کھانا مسنون انداز سے شروع کیا جائے۔ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ’’جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اللہ کا ذکر کرے، یعنی بسم اللہ پڑھے۔ پس اگر شروع میں اللہ کا ذکر بھول جائے تو جب یاد آئے تو اس طرح کہے بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ۔‘‘ (صحیح مسلم)

دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر فضیلت حاصل ہے۔ تمام ستھرے کام دائیں ہاتھ سے کرنے چاہئیں۔ اسی طرح کھانا بھی دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے۔ کھانے کی پلیٹ میں ادھر اُدھر انگلیاں گھمانا بھی شائستگی کے خلاف ہے۔ سیدنا عمر بن ابی سلمہؓ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور رسول اللہﷺ کے ہاں رہتا تھا۔ (کھاتے وقت) میرا ہاتھ پلیٹ میں ہر طرف پڑتا تھا۔ (یہ دیکھ کر) رسول اللہﷺ نے فرمایا: ’’اے لڑکے! اللہ کا نام لے (یعنی بسم اللہ پڑھ)، اپنے دائیں ہاتھ سے کھا، اور وہ چیز کھا جو تیرے قریب ہے۔‘‘ (صحیح مسلم)

کھانا کھاتے وقت تکیہ وغیرہ کے ساتھ ٹیک بھی نہ لگائی جائے، بلکہ مستعد بیٹھ کر کھانا کھایا جائے۔ آپﷺ کا فرمان ہے کہ ’’میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔‘‘ (سنن دارمی) اسی طرح چلتے پھرتے کھانے پینے کی ممانعت ہے اور کھڑے ہو کر پانی پینا یا کھانا کھانا بھی مناسب نہیں۔ کھڑے ہو کر کھانا چوپایوں کا طریقہ ہے۔ یہ جہاں اخلاق کے منافی ہے، وہاں کھانے کے احترام کے خلاف بھی ہے۔ نیز اس طرح کھایا ہوا کھانا صحت کے لیے مضر ہے۔

کھانا کھاتے وقت لقمہ گر جائے تو اٹھا کر کھا لینا چاہیے، کیونکہ کھانے کو ضائع کرنا اچھا نہیں۔ آپﷺ نے فرمایا: ’’جب تم میں سے کسی کا لقمہ نیچے گر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھا

لے اور اس لقمے کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور اپنے ہاتھ (تولیے یا رومال سے) صاف نہ کرے جب تک کہ اپنی انگلیاں چاٹ نہ لے‘ کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ برکت کھانے کے کس حصے میں ہے۔“

اسلامی تعلیمات میں اجتماعیت کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ کھانا کھاتے وقت بھی اگر چند لوگ ہوں تو انہیں مل کر کھانا کھانا چاہیے۔ اس طرح کھانے میں برکت ہوتی ہے اور تھوڑے لوگوں کا کھانا زیادہ لوگوں کو کافی ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے کچھ صحابہ نے کہا: یارسول اللہ ﷺ ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے۔ آپؐ نے فرمایا: ”شاید تم الگ الگ کھاتے ہو۔ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مل کر کھانا کھایا کرو اور کھانے کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو (بسم اللہ پڑھا کرو) اللہ تعالیٰ تمہارے کھانے میں برکت ڈال دے گا۔“ (سنن ابی داؤد)

بعض لوگ کوئی گرم مشروب یا پانی وغیرہ پئیں تو اس کی حدت دور کرنے کے لیے اس میں منہ سے پھونکیں مارتے ہیں۔ یہ بات تہذیب اور شائستگی کے خلاف ہے اور طبی نقطہ نظر سے بھی مضر ہے۔ زیادہ گرم کھانا صحت کے لیے مفید نہیں۔ اگر طعام یا مشروب گرم ہو تو منہ سے پھونکیں مارنے کی بجائے تھوڑی دیر انتظار کرنا چاہیے تاکہ کھانے کی حرارت کم ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے (اور نہ ہی پھونکیں مارے)۔“ (صحیح بخاری) آپ ﷺ کے پاس گرم کھانا لایا جاتا تو آپ اس کو اس وقت تک ڈھانپ کر رکھتے جب تک اس کا جوش ختم نہ ہو جاتا۔ (دارمی)

جب چند آدمی اکٹھے ہوں اور کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کی جائے تو یہ آداب کے خلاف ہے کہ وہ چیز وصول کرنے والا شخص پہلے خود کھائے اور بعد ازاں دوسروں کو دے۔ مناسب یہ ہے کہ تقسیم کرنے والا پہلے دوسروں کو دے اور سب سے آخر میں خود لے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگوں کو پلانے والا خود سب سے آخر میں پیے۔“ (صحیح بخاری)

کسی دعوت وغیرہ میں کھانا کھانے کا اتفاق ہو اور سب لوگ کھانا کھانے لگیں تو جو شخص کھانا کھا چکے وہ دسترخوان سے اٹھ کر نہ جائے۔ یہ بڑا اہم نکتہ ہے کہ اس طرح دوسرے لوگ شرمندگی محسوس کریں گے کہ لوگ تو اٹھ کر جا رہے ہیں اور ہم ابھی تک کھا رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے اس احساس سے وہ فراغت سے پہلے ہی اٹھ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب

دسترخوان لگ جائے (اور کھانا شروع ہو جائے) تو کوئی شخص اپنا ہاتھ نہ روکے اگرچہ سیر بھی ہو چکے (انتظار کرے) یہاں تک کہ سب لوگ فارغ ہو جائیں۔ اگر ضروری ہو تو عذر کر دے تاکہ اس طرح اس کے ساتھی کھاتے رہیں۔ ورنہ دوسرے اس کی وجہ سے شرمندہ ہو کر اپنے ہاتھ روک لیں گے‘ حالانکہ انہیں مزید کھانے کی حاجت ہوگی۔“ (سنن ابن ماجہ)

کھانا کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ لینا چاہیے اور برتن بھی صاف کرنا چاہیے۔ نظافت کا یہی تقاضا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹ لیا جائے اور برتن صاف کر لیا جائے۔ تم کو معلوم نہیں کہ کھانے کے کس ذرہ میں اور کس جزو میں برکت کا خاص اثر ہے۔“ (صحیح مسلم)

کھانے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کسی کے ہاں جائے اور وہ کھانا پیش کرے تو بھوک ہوتے ہوئے انکار نہ کرے‘ کیونکہ بھوک مٹانا طبعی تقاضا ہے۔ جو شخص بھوک ہوتے ہوئے انکار کرتا ہے اسے ناپسند کیا گیا ہے۔ حضرت اسماء بنت یزید ؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھانا لایا گیا‘ پھر ہمارے سامنے کھانا لایا گیا۔ ہم نے عرض کیا ہم کو خواہش نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کرو۔“ (ابن ماجہ) حضرت اسماءؓ نے تکلفاً کہہ دیا تھا کہ ہمیں بھوک نہیں‘ حالانکہ انہیں کھانے کی طلب تھی۔

جب کوئی شخص کھانا کھا لے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ رسول اللہ ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ ”کل شکر اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔“ (سنن ابی داؤد) اگر کسی کے ہاں کھانا کھایا جائے تو اس کے حق میں برکت‘ رحمت اور رزق کی کشادگی کی دعا کرنا چاہیے اور کہنا چاہیے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَھُمْ فِیْ مَا رَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ ”اے اللہ! اس کے رزق میں برکت دے اور ان کی بخشش فرما اور ان پر رحم کر۔“

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

امام شُعبہ بن حجّاج رحمۃ اللہ علیہ

۸۳ھ — ۱۶۰ھ

عبدالرشید عراقی

تبع تابعین کے زمرہ میں امام شعبہ بن حجاجؒ اپنے علم وفضل، زہد وورع، تقویٰ وطہارت، عدالت وثقاہت، ذکاوت وفطانت، امانت ودیانت، شجاعت وبسالت اور حفظ وضبط کے اعتبار سے بڑے جامع الکمالات تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کو یکساں قدرت حاصل تھی۔ حدیث نبوی ﷺ میں ان کی امامت وجلالت ضرب المثل بن گئی تھی۔ حدیث کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں ان کی مرویات کثرت سے موجود نہ ہوں۔ حافظ شمس الدین ذہبی (م۷۴۸ھ) نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الحفاظ'' میں امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (م۲۵۶ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''مجھے امام علی بن مدینی کے واسطہ سے امام شعبہ کی دو ہزار حدیثیں پہنچی ہیں۔''(۱)

اور امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ:

''میں نے ان سے سات ہزار حدیثیں سنی ہیں جن میں ایک ہزار حدیثوں پر میں نے ان سے ردوقدح کیا اور ایک ہزار حدیثوں کے دلائل وبراہین سے خود انہوں نے مجھے واقف کیا۔''(۲)

ائمہ کرام، محدثین عظام اور اربابِ سیر کا اعتراف

امام شعبہ کے علم وفضل اور ان کے جامع الکمالات ہونے پر تمام علماء ومحدثین عظام نے اعتراف کیا ہے۔ امام ابوبکر خطیب بغدادی (م۴۶۳ھ) نے تاریخ بغداد میں کئی ایک محدثین کے امام شعبہ کے علمی تبحر اور علومِ اسلامیہ خاص کر حدیث نبوی ﷺ میں صاحب امتیاز ہونے کے ان کے اقوال درج کیے ہیں۔

امام شافعیؒ (م۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

''اگر امام شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں علم حدیث اتنا معروف نہ ہوتا۔''

امام سفیان ثوریؒ (م۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

''امام شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں۔''

امام احمد بن حنبلؒ (م۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ:

''امام شعبہ علم حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے اور حدیث کی بصیرت حفظ واتقان اور رجال کی تنقید میں وہ تنہا ایک اُمت کے برابر تھے۔''

امام حماد بن زیدؒ (م۱۷۹ھ) کا قول ہے کہ:

''اگر کسی حدیث کی روایت میں امام شعبہ میری موافقت کرتے ہیں تو پھر میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔''(۳)

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:

''امام شعبہ کی عدالت وثقاہت اور امامت وجلالت پر تمام ائمہ ومحدثین کا اتفاق ہے۔''

امام ابوعبداللہ حاکمؒ (م۴۰۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

''امام شعبہ معرفت حدیث امام الائمہ تھے۔''(۴)

روایتِ حدیث میں احتیاط

روایت حدیث میں امام شعبہ بہت زیادہ محتاط تھے۔ حافظ ابن حجرؒ (م۸۵۲ھ) نے تہذیب التہذیب میں امام سفیان ثوریؒ (م۱۶۱ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

''امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حدیث نبوی ﷺ کی روایت میں امام شعبہ سے زیادہ کسی کو محتاط نہیں پایا۔ ان کو صحیح حدیث میں بھی شک ہو جاتا تھا تو ترک کر دیتے تھے۔''

خود فرماتے تھے کہ:

''میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یہ مجھے پسند ہے، مگر یہ پسند نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی حدیث کو سنا نہ ہو اور یہ کہوں کہ سَمِعتُ (میں نے سنا ہے)۔''(۵)

تنقیدِ رجال کا آغاز

امام شعبہ کے دور میں روایت حدیث میں بے اعتدالیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اگر اس وقت اس کی روک تھام نہ کی جاتی تو اُمتِ مُسلمہ میں ایک نئے فتنے کا آغاز ہو جاتا۔ مولانا حافظ مجیب اللہ ندویؒ لکھتے ہیں:

''اس وقت حدیث کی روایت میں جو بے اعتدالیاں شروع ہو گئی تھیں اور حدیث کا مبارک علم جس طرح آہستہ آہستہ نااہل لوگوں کے ہاتھوں میں جا رہا تھا اگر بر وقت

اس کی روک تھام نہ کی جاتی تو اُمت میں ایک نئے فتنے کا آغاز ہو جاتا۔ خدا جزائے خیر دے امام شعبہ کو کہ وہ ہر وقت اس فتنے کے خلاف صف آراء ہو گئے۔ انہوں نے رواۃ حدیث پر کلام کیا' ان کے صفات بتائے' ان کے کچھ اصول مقرر کیے۔ اس کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ بے اعتدالیاں کم ہونے لگیں۔ اور ہر کس و ناکس کو روایت حدیث کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ امام شعبہ نے جس کام کی ابتدا کی تھی اگرچہ اس کی تکمیل دوسرے آئمہ یعنی امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین وغیرہ نے کی' مگر بہر حال تقدم کا شرف امام شعبہ کو حاصل ہے۔''

امام نووی نے صالح بن محمد کا یہ قول نقل کیا ہے:

اوّل من تکلم شعبة ثم تبعه يحيى القطان ثم احمد بن حنبل و يحيى بن معين
(تهذيب الاسماء واللغات)

''راویوں پر سب سے پہلے تنقید امام شعبہ نے شروع کی' پھر امام یحییٰ القطان' پھر ان کے بعد احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین نے۔''

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ''تہذیب التہذیب'' میں ابوبکر بن منجویہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

وهو اول من فتّش بالعراق عن امر المحدثين وجانب الضعفاء والمتروكين (ج ٤' ص ٣٤٥)

''عراق میں سب سے پہلے امام شعبہ نے عام محدثین اور ضعیف اور متروک راویوں کے بارے میں چھان بین شروع کی۔''

تنقید رجال کے بارے میں امام شعبہ کی حیثیت اتنی مسلم ہو چکی تھی کہ جن راویوں سے وہ روایت نہیں کرتے تھے دوسرے محدثین بھی ان کی روایت سے گریز کرتے تھے۔

ممتاز محدث ابن عون سے کسی نے پوچھا کہ آپ فلاں آدمی سے روایت نہیں کرتے' آخر اس کا سبب کیا ہے؟ جواب دیا: امام شعبہ اس سے روایت نہیں کرتے تھے۔''(۶)

زُہد و ورع

امام شعبہ عبادت و ریاضت میں بے مثال تھے۔ نماز نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے تھے۔ ان کا قیام' رکوع و سجدہ بہت طویل ہوتا تھا۔ روزے سے ان کو خاص شغف تھا۔ کثرت سے نفلی روزے رکھتے تھے۔ زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت کے پیکر تھے۔ حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی بھی پوری نگہداشت کرتے تھے۔ سخاوت کے وصف سے بھی متصف تھے اور اس وصف میں انصار مدینہ کا نمونہ تھے۔ جن کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے:

﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ﴾ (الحشر:۹)

''(انصار کا یہ حال ہے) کہ وہ خود تنگی میں ہوتے ہوئے بھی ایثار سے کام لیتے ہیں۔''

امام شعبہ کو ہر وقت آخرت کا خوف دامن گیر رہتا تھا اور آخرت کی باز پرس سے ہر وقت خائف رہتے تھے۔ انہی اوصاف و کمالات کی بنا پر امام یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں:

شعبة امام المتقين ''امام شعبہ متّقیوں کے امام ہیں۔''(۷)

نام و نسب اور ولادت

شعبہ بن حجاج نام' ابو بطام کنیت۔ ۸۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی۔ جائے ولادت قصبہ تہیان من مضافات واسط ہے۔

اساتذہ و تلامذہ

امام شعبہ کے اساتذہ و شیوخ کی تعداد حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) نے تین سو سے زاید بتائی ہے۔ اساتذہ کی طرح ان کے تلامذہ کا بھی شمار نہیں۔ امام نووی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

وخلائق لا يحصون من كبار الائمة

''ان کے ممتاز تلامذہ کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔''

چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

''امام سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ)' امام سفیان بن عیینہ (م ۱۹۸ھ)' امام عبدالرحمٰن بن مہدی (م ۱۹۸ھ)' امام وکیع بن الجراح (م ۱۹۶ھ)' امام عبداللہ بن مبارک (م ۱۸۱ھ)' امام اسمٰعیل بن علیہ (م ۱۹۳ھ)''(۸)

وفات

امام شعبہ نے ۷۷ برس کی عمر میں بصرہ میں انتقال کیا۔(۹)

حواشی

(۱) تذکرۃ الحفاظ' ج ۱' ص ۱۷۰۔
(۲) ایضاً
(۳) تاریخ بغداد' ج ۹' ص ۲۶۴۔
(۴) تبع تابعین' ج ۱' ص ۲' ۳۔
(۵) تہذیب التہذیب' ج ۴' ص ۳۴۵۔
(۶) تبع تابعین' ج ۱' ص ۳۰۳' ۳۰۴۔
(۷) ایضاً' ص ۳۰۸۔
(۸) تہذیب التہذیب' ج ۴' ص ۳۴۵۔
(۹) تبع تابعین' ج ۱' ص ۳۰۹۔

شوہر اور بیوی کے حقوق و فرائض

بیگم ڈاکٹر عبدالخالق

چند تمہیدی باتیں

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ایک بہت محدود ٗ کمتر اور ناقص سطح پر بیان کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ ان مضامین میں یقیناً بہت وسعت کی گنجائش ہے' لیکن میرا مقصد تفصیل سے حقوق و فرائض کی آگاہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں موجود ہیں۔ میرا مقصد تو صرف اور صرف ایک دوسرے کے صحیح حقوق و فرائض کی نشاندہی کرنا ہے —— مزید یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض اوقات ہم اخلاقی اقدار کو شریعت سے ہٹ کر بھی استعمال کرتے ہیں اور شریعت سے بالاتر رہتے ہوئے خالص اپنی ذہنی بنیاد پر اور دوسرے فریق پر دباؤ ڈالنے کے لیے کچھ اخلاقی اقدار ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر حالات کو قابو میں رکھنے کے لیے مثبت اور منفی طور پر یک طرفہ ایثار و قربانی کی دہائی لگائی جاتی ہے' جو کہ کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے' نہ شرعاً اور نہ اخلاقاً۔ آج کل یہی کچھ ہمارے معاشرے میں ہو رہا ہے جس کی وجہ سے اصل حقوق و فرائض دب گئے ہیں اور خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ شریعت کے حکم کے مطابق اور عدل و انصاف سے کام لیتے ہوئے جھگڑے کی صورت میں فریقین کی زیادتیاں سامنے لائی جائیں اور پھر انہیں شریعت کے حکم ہی کی طرف راغب کیا جائے۔ چاہے شریعت کا حکم پسند آ رہا ہو یا نہیں اور فیصلہ ہمارے حق میں ہو یا خلاف' ہر دو صورتوں میں صحیح عمل کی طرف توجہ دلائی جائے اور ایک دوسرے کے حقوق و فرائض سے آگاہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ صبر اور ایثار و قربانی جیسے اخلاقیات کی طرف بھی توجہ دلائی جائے اور ان کے دُنیوی و اُخروی فوائد سمجھائے جائیں۔ شاید اس سے یہ بات سمجھ میں آئے کہ اگرچہ میں حق پر ہوں اور دوسرا فریق غلطی پر ہے' لیکن دنیا میں امن و امان سے رہنے کا طریقہ تو ایثار و قربانی اور عفو و درگزر ہی ہے اور آخرت میں اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے۔ پھر ان دو صورتوں

میں یا تو صبر و تحمل اور عفو و درگزر سے گزارا کیا جائے جو کہ ایک پُرسکون گھرانے کے لیے لازم و ملزوم کے درجے میں آتا ہے' چاہے یک طرفہ ہی کیوں نہ ہو' یا پھر شریعت کے مطابق فیصلہ مان کر ایک طرف ہو جائیں اور پھر ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

سورۃ صٓ میں حضرت داوٗد علیہ السلام کا ایک واقعہ نقل ہوا ہے کہ کچھ لوگ ان کے پاس ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے آئے' انہوں نے کہا: ﴿فَاحۡکُمۡ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ وَ لَا تُشۡطِطۡ وَ اہۡدِنَاۤ اِلٰی سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾﴾ ''ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیجیے اور زیادتی نہ کیجیے اور سیدھی راہ کی طرف ہماری رہنمائی کیجیے'' —— سوچنے کی بات ہے کہ اس دور میں بھی عوام الناس میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو ذہنی طور پر اپنی بلوغت کو تو نہیں پہنچے تھے' لیکن اس کے باوجود حضرت داوٗد علیہ السلام جیسی شخصیت کا ذاتی فیصلہ نہیں چاہتے تھے بلکہ صاف طور پر حق کے مطابق فیصلہ چاہتے تھے۔ تو آج ہمیں بھی کم از کم حقوق و فرائض میں نہ صرف یہ کہ عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھنا چاہیے بلکہ عدل کی بات' از روئے قرآن و حدیث' اگر ہمارے خلاف بھی ہو تو بھی ہمیں کھلے دل و دماغ سے قبول کرنی چاہیے۔ کیونکہ ''اَلۡحَقُّ مُرٌّ'' حق ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے اور اگر صبر سے جھیلا جائے تو اس کا پھل جلد یا بدیر میٹھا ہوتا ہے۔ اس ضمن میں اپنے اپنے فرائض سے آگاہی حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ جذبات سے ہٹ کر اس مضمون کو پڑھیں اور شریعت کی طرف سے جو حقوق و فرائض دیے گئے ہیں پہلے ان سے واقف اور آشنا ہوں اور اپنی رائے شریعت کے مقابلے میں ہرگز' ہرگز قائم نہ کریں۔

شوہر کے فرائض

شوہر کے تمام فرائض بیوی اور شوہر کے گھر والوں کے حقوق ہیں جن کو ادا کرنے میں کوئی احسان کا جذبہ نہیں' بلکہ فرض کی ادائیگی کا احساس ہونا چاہیے جو کہ اصلاً مطلوب ہے اور پھر اس کا اجر صرف اور صرف اللہ سے طلب کریں۔ اس حوالے سے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے فرمودات خصوصاً ''دو باتوں میں اللہ سے ڈرتے رہنا: ایک عورت اور دوسرے مملوک'' کو ہمیشہ دل و دماغ میں تر و تازہ رکھیں —— ذیل میں شوہر کے فرائض کو مختصراً ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے:

(۱) قوامیت

سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ﴾ (آیت ۳۴)

''مرد عورتوں پر حاکم ہیں' اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مَردوں نے اپنے اموال خرچ کیے ہیں۔''

''قوام'' کے لفظ کو عام طور پر مَرد کے حق میں لیا جاتا ہے' لیکن یہ دراصل مرد پر بہت بڑا فرض اور اس کی ذمہ داری ہے جس کا مَرد بہت ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ قَامَ' یَقُوْمُ کا مطلب ''کھڑا ہونا'' کے ہیں اور ''قوّام'' مبالغے کا صیغہ ہے جو ''جم کر کھڑا ہونے والا'' کے مفہوم میں آتا ہے۔ قوامیت دراصل بیویوں پر اپنے فرائض کی خلوص اور استقامت سے ادائیگی کے لیے مطلوب ہے۔ اس میں یہ مفہوم بھی پنہاں ہے کہ حالات کی ناسازگاری کے باوجود شریعت کے مطابق اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونا اور اخلاقیات کا سہارا لیتے ہوئے عفوودرگزر سے مدد لینا —— اس لفظ کو صرف آمریت' حاکمیت' ظلم اور جبر کے معنوں میں استعمال نہ کیا جائے۔ محولہ بالا آیت میں قوامیت کی وجوہات بھی بیان کر دی گئی ہیں:

(۱) قوامیت کی پہلی وجہ: ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ''اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے''۔ جو اضافی فضیلت اللہ تعالیٰ نے مَردوں کو دی ہے وہ ان کی جسمانی قوت اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے ہے' اور یہ فضیلت مرد کا اضافی حق بھی ہے۔

(۲) قوامیت کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی: ﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اور وہ اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں''۔ آپ دیکھئے کہ شادی میں نکاح کے چھوہارے اور ولیمہ کے کھانے سے لے کر بقیہ زندگی میں مرد ہی بیوی بچوں کے نان نفقہ کا ذمہ دار ہے۔

اس حوالے سے یہ نوٹ کر لیں کہ یہ فضیلتیں خالصتاً دنیوی سطح پر ہیں' جبکہ آخرت میں مرد کو عورت پر کوئی اضافی اور قانونی فضیلت نہیں ہے۔ وہاں پر تو ایمان وعمل کی بنیاد پر جو مرضی چاہے فضیلتیں کما لے۔

قرآن نے مَردوں کو یہ اضافی فضیلت دے کر عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا اضافی حکم بھی دیا ہے جو کہ عورتوں کے حق میں جاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں مَردوں کے لیے اس اضافی حکم کا تذکرہ پہلے اور خصوصی طور پر کیا گیا ہے' جبکہ قوامیت کا ذکر تو آگے سورۃ النساء میں جا کر آتا ہے۔ اس ترتیب سے مَردوں کو ان کی اضافی ذمہ داری کا احساس دلایا ہے جس کو اپنانے سے بہت سے مسائل اور جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ' آیت ۲۳۷ میں فرمایا گیا: ﴿وَلَا

تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ﴾ ''اور آپس میں فضیلت (بڑائی) کو مت بھولو''۔ یہ ایک طویل آیت کا آخری حصہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ صحبت سے پہلے طلاق کی صورت میں قانونی طور پر عورت کو آدھا حق مہر دینا تو ضروری ہے' لیکن اس اضافی فضیلت کے باعث مَردوں کو ترغیباً کہا گیا ہے کہ اگر تم پورا حق مہر دے دو تو یہ تقویٰ کے قریب بھی ہے اور اخلاقیات کے میدان میں بھی زیادہ حصہ تمہارا ہی بنتا ہے۔

(۲) حق مہر

مرد عورت کو بیاہ کر لاتا ہے تو اس کا دوسرا فرض عورت کو اپنی حیثیت کے مطابق حق مہر کی ادائیگی کرنا ہے۔ بہترین بات یہ ہے کہ مرد نکاح سے پہلے ہی حق مہر ادا کر دے خواہ زیور کی صورت میں ہو خواہ نقدی کی صورت میں' اگرچہ بعد میں بھی ادا کر سکتا ہے۔ اس حوالے سے قرآن مجید کی کئی آیات میں شوہر کے اس فرض کو بیان کیا گیا ہے' جبکہ احادیث کا ایک ذخیرہ اس موضوع پر ہے —— خوشی خوشی عورت کا حق ادا کرنا اور احسان نہ سمجھنا مرد کی قوامیت اور فضیلت کے مطابق ہے' البتہ اگر عورت بغیر کسی دباؤ کے خوشی سے خود ہی مکمل حق مہر یا اس میں سے کچھ حصہ معاف کر دے تو کوئی گناہ نہیں۔

(۳) نان نفقہ

مرد کا تیسرا فرض اور عورت کا اس پر حق یہ ہے کہ وہ اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری اٹھائے۔ مرد کا اپنی حیثیت کے مطابق حلال ذریعے سے اپنے اہل خانہ پر خرچ کرنا لازم ہے اور بیوی کے آگے سب کچھ ڈھیر کر دینا یا بالکل محروم رکھنا دو انتہائیں ہیں جن سے بچنا لازم ہے۔ عورت کا کام مرد کے گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ اگر عورت اپنے اس کام میں مدد کے لیے شوہر سے نوکر یا ملازمہ رکھنے کی درخواست کرے —— جو اگرچہ براہِ راست تو نان نفقے کے ذیل میں نہیں آتا لیکن مال اس میں چونکہ مرد کا خرچ ہوتا ہے' لہٰذا کسی قدر شامل بھی ہے —— تو مرد کو چاہیے کہ حسب استطاعت اس کی درخواست کو پورا کرے اور اگر نہیں کر سکتا تو احسن رویہ اختیار کرے اور ہو سکے تو خود بیوی کی مدد کرے اور اس میں کوئی عار نہ سمجھے۔ اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی عادتِ مبارکہ ذہن میں رکھیے کہ وہ اپنے کام خود انجام دیتے تھے۔ اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو بیوی کے کاموں میں بلاوجہ مین میخ نہ نکالے اور کسی غلطی کی نشاندہی دھیمے لب ولہجے میں کرے۔

(۴) علیحدہ گھر

اسلام میں جوائنٹ فیملی سسٹم نہیں ہے۔ اس کی بہت بڑی وجہ تو پہلے خود عورتوں اور بعد

ازاں اولاد کے پردے کا مسئلہ ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اسلام میں جوائنٹ فیملی سسٹم نہیں ہے تو پھر کیا‘ کیوں اور کیسے کا سوال ختم ہو جانا چاہیے۔ عورت اگر مطالبہ کرتی ہے کہ آپ بے شک اپنے والدین اور رشتہ داروں کی ضروریات کا خیال رکھیں اور ان کی خدمت کریں لیکن مجھے الگ رکھیں اور آپ جو حکم دیں گے وہ بھی میں آپ کے والدین کے لیے کروں گی‘ تو مرد کا بھی یہ فرض اور عورت کا حق ہے کہ وہ بیوی کا مطالبہ جائز مانتے ہوئے اسے پورا کرے‘ کیونکہ یہ قدم بہت سے خیر کو جنم دیتا ہے اگر اچھے طریقے سے اٹھایا جائے۔ ہاں اگر شوہر کی کمائی بہت محدود ہے اور وہ الگ گھر لے کر نہیں دے سکتا یا اس کی خواہش یہی ہے کہ وہ والدین کے ساتھ یا والدین اس کے ساتھ رہیں تو عورت کو اس کا حکم ماننا لازم ہے۔ لیکن اس صورت میں مرد پر بہت ہی کڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس ضمن میں کچھ باتوں کو بہت زیادہ ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے:

(۱) مرد اپنے والدین کے گھر میں جو حصہ اپنی بیوی کے لیے مختص کرتا ہے‘ اسے چاہیے کہ اس حصے میں بھرپور پرائیویسی کا اہتمام کر کے دے تاکہ بیوی کو اعتماد رہے۔

(۲) والدین کی خدمت خالصتاً اور اصلاً مرد کی اپنی ذمہ داری ہے اور یہ بات ہمارے معاشرے کی اکثریت کو ہضم نہیں ہوتی۔ اس کی جنت اس کے والدین کے قدموں تلے ہے‘ اسے چاہیے کہ کام سے واپس آ کر والدین کی جتنی ہو سکے خدمت کرے اور جسمانی‘ مالی اور اخلاقی لحاظ سے ان کی دلجوئی کی کوشش کرے‘ نہ کہ گھر میں آ کر بھی والدین سے اعراض برتے اور ٹی وی لگا کر بیٹھ جائے یا کوئی اور دلچسپیاں ڈھونڈ لے یا گھر آتے ہی بیوی بچوں میں مصروف ہو جائے۔ اس معاملے میں نبی اکرم ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کو ذہن میں رکھیے‘ جو گھر میں آتے تو بہت سے گھریلو کاموں میں ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا ہاتھ بھی بٹاتے۔ کیا وہ تھکے ہوئے نہیں ہوتے تھے؟ کیا ان کو آرام کی ضرورت نہیں ہوتی تھی؟ ازواج کے کام تو مرد پر فرض نہیں ہیں‘ پھر بھی نبی مکرم ﷺ ان کی دلجوئی اور ہمدردی کے لیے جو ہو سکتا تھا کرتے تھے‘ جبکہ والدین کی خدمت تو مرد پر فرض ہے۔ اس سے ہرگز انحراف نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی الٹی سیدھی دلیلیں اس ضمن میں لائی جا سکتی ہیں۔

گھر میں اگرچہ بیوی کو مرد کی توجہ کی ضرورت ہے‘ لیکن والدین کے مقام‘ اپنی ذمہ داری اور فرض کی ادائیگی کے حوالے سے درجہ بندی کا لحاظ رکھنا مرد پر لازم ہے۔ وہ شوہر بعد میں ہے پہلے اپنے والدین کا بیٹا ہے۔ اپنے والدین کے کھانے پینے‘ علاج معالجے اور دیگر ضروریات کا

خیال رکھنا بیٹے پر فرض ہے۔ ہاں بیوی جس طرح گھر کے باقی کام انجام دیتی ہے اسی طرح اپنے شوہر کے والدین کی ضروریات کا خیال رکھنا بھی اس کا اخلاقی فرض ہے۔ مرد کو چاہیے اس ضمن میں بیوی کو احسن طریقے سے سمجھائے اور اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے‘ نہ کہ یہ سب عورت کی ذمہ داری اور فرائض کے کھاتے میں ڈال کر خود فارغ ہو جائے۔ آج ہمارے معاشرے میں یہ افراط وتفریط عام نظر آئے گی کہ فرض کسی پر ہے اور ڈالا کسی پر جاتا ہے۔ والدین کی خدمت بیٹے کی بہت بڑی ذمہ داری ہے‘ ستم بالائے ستم کہ یہ بات خود والدین نے ہی بیٹوں کے ذہن سے محو کر دی ہے۔ دوسری طرف بیوی کو چاہیے کہ مرد کی ذمہ داری میں اس کا ہاتھ بٹائے‘ اس کی غیر موجودگی میں اس کے والدین کا خیال رکھے۔

انسانی حقوق کے ناتے اگرچہ یہ فرض سب پر عائد ہوتا ہے کہ بیمار کی تیمارداری اور بوڑھوں کی خدمت کی جائے‘ لیکن والدین کی خدمت کو مرد کی ذمہ داری سمجھنے کے لیے اس حدیث مبارکہ کو ذہن میں رکھیے جس میں نبی اکرم ﷺ نے غار میں پھنس جانے والے تین آدمیوں کا تذکرہ فرمایا تھا۔ وہ تینوں اپنی زندگی کی بہترین نیکیاں یاد کر رہے تھے کہ شاید اس کے عوض انہیں اس غار سے نجات مل جائے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں ایک رات دودھ لے کر آیا تو میرے والدین سو چکے تھے۔ میں ساری رات دودھ کا پیالہ ہاتھ میں لے کر ان کے سرہانے کھڑا رہا۔ صبح جب وہ بیدار ہوئے تو میں نے ان کو دودھ پلایا۔ اس پر غار کے دہانے پر رکھی ہوئی چٹان سرک گئی۔ یعنی یہ شخص دن بھر کام کرتا اور رات کو بجائے اپنی بیوی پر حکم چلانے کے خود اپنے والدین کی خدمت کرتا جو دراصل مرد کی ذمہ داری ہے اور وہ اپنی بیوی کو یہ بھی نہیں باور کراتا کہ میں سارا دن کا تھکا ہوا ہوں لہٰذا تم یہ کام کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کر تو دے گی لیکن مرد اپنی جنت کہاں سے حاصل کرے گا؟

اس سے یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ اگر مرد بیمار والدین کے سرہانے ساری رات جاگ کر ان کی خدمت کرتا ہے تو وہ اپنا فرض ادا کرتا ہے‘ کوئی احسان نہیں کرتا‘ جبکہ اگر وہ یہی کام بیوی کے لیے کرتا ہے تو یہ ایک درجے میں احسان ہے۔ بہترین شوہر خود نبی اکرم ﷺ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ ، وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ)) (سنن ابن ماجہ)

’’تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے

لیے تم میں بہترین ہوں۔''

تو آپ ﷺ کا رویہ تو یہ تھا کہ آپؐ اپنا کام خود کرتے تھے‘ گھر میں جھاڑو دے دیتے‘ کپڑوں کی پیوند کاری کرتے‘ جوتا مرمت کرتے‘ بکری کا دودھ دوہتے وغیرہ وغیرہ‘ حالانکہ یہ آپؐ کا فرض نہیں تھا‘ لیکن ازواج کی دلجوئی اور حسنِ سلوک کی بہترین مثال ہمارے مَردوں کے سامنے ہے۔

(۵) ازدواجی زندگی کو مستحکم کرنے کے لیے بنیادی اخلاقیات

یاد رکھیے ع ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے'' کے مصداق جہاں قوامیت اور فضیلت ہے وہاں ذمہ داریاں بھی زیادہ ہیں۔ شوہر کو چاہیے کہ انسانی جبلت میں پوشیدہ جذبات و احساسات (غصہ‘ ضد‘ انا اور سرکشی وغیرہ) کے تحت اگر بیوی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو پیار و محبت اور اعتماد کے ذریعے اس کی نشاندہی کرے اور سمجھائے اور ذرا سی غلطی کو ناشکری کا درجہ دے کر بیوی کو جہنمی ہونے کی وعید نہ سنا دے۔ بیوی کو بھی چاہیے کہ بلاوجہ اور بطور شکایت شوہر کی بات کسی سے نہ کہے۔

بیوی کے لیے تو ایک فقرہ ''معروف میں خاوند کی اطاعت'' پوری زندگی کے لیے کفایت کرتا ہے‘ لیکن شوہروں کے لیے چونکہ بیوی کی اطاعت لازم نہیں ہے اس لیے اخلاقاً بیوی کی بات سننا‘ اس کی رائے طلب کرنا‘ گھر کے مختلف معاملات میں اس سے مشورہ لینا اور مناسب بات کو کھلے دل کے ساتھ تسلیم کرنا اور عمل کرنا ایک گھرانے کو پرسکون رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ بیوی کو ناقص العقل اور کوتاہ بین سمجھنا اور تحقیر کی نگاہ سے دیکھنا ایک مسلمان اور ذمہ دار شوہر کے لیے جائز نہیں ہے۔ گھر کا گہوارا اچھے اخلاق سے ہی سجتا ہے۔ اس مقصد کے لیے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر بیویوں سے اچھے اخلاق‘ گفتار‘ حسنِ سلوک اور حسنِ معاشرت کے حوالے سے احکام آئے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے لیے باعث تسکین و راحت اور ایک دوسرے کا لباس بھی کہا گیا ہے۔ مثلاً:

(۱) ﴿وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ۝۱۹﴾ (النساء)

''اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔''

(۲) ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ﴾ (البقرۃ:۱۸۷)

''وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔''

(۳) ﴿هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا لِيَسۡكُنَ اِلَيۡهَا ۚ﴾ (الاعراف:۱۸۹)

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے۔''

(۴) ﴿وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ﴾ (الروم:۲۱)

''اور اُسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی بیویاں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور مہربانی بھی پیدا کر دی۔''

(۵) ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ وَاَوۡلَادِكُمۡ عَدُوًّا لَّكُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تَعۡفُوۡا وَتَصۡفَحُوۡا وَتَغۡفِرُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۱۴﴾ (التغابن)

''اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن بھی ہیں‘ سو ان سے بچتے رہو‘ اور اگر معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔''

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان تعلقات مضبوط اور مربوط ہونے چاہئیں اور اس کے لیے جو عناصر استعمال ہوں گے ان میں ایک طرف تو قوامیت اور فضیلت ہے جو صرف مرد کے حصے میں من جانب اللہ آتی ہے۔ اور عورت کے لیے اطاعت‘ تعاون اور تسلیم جیسے عناصر ہیں — بجوائے قرآنی: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَيۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ﴾۔ (النساء:۳۴) ''تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مَردوں کے حکم پر چلتی ہیں اور ان کے پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبرداری کرتی ہیں'' — لیکن دوسری طرف پُرسکون گھرانے کے لیے مؤدت‘ رحمت‘ عفو و درگزر جیسے اوصاف دونوں سے ہی مطلوب ہیں اور بہرحال مرد پر اضافی فضیلت کی وجہ سے ان اوصاف کی احسن طریقے سے ادائیگی کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ شوہر اور بیوی کے مابین مضبوط تعلق کے لیے مثبت ترغیب و تشویق کی آیات بہت زیادہ ہیں اور خطاب مَردوں سے زیادہ ہے ان کی فضیلت کی وجہ سے۔

دوسری طرف ازواج کو ایک دوسرے کے لیے ''عدو'' کہہ کر خبردار کر دیا گیا ہے کہ ان کے ساتھ دلی لگاؤ‘ محبت‘ مودت‘ چشم پوشی اور درگزر اس حد تک نہ بڑھ جائے کہ دلوں میں اللہ

(باقی صفحہ 26)

بقیہ : عرضِ احوال

کا قبضہ چھڑانے میں ان جماعتوں کی کوئی عملی مدد نہیں کرتی اور دشمن کے دشمن سے تعاون کر کے کوئی وقتی فائدہ حاصل کرتی ہے تو یہ تعاون آنے والے وقت میں نواز شریف حکومت کے گلے پڑ جائے گا۔ ہم ایم کیو ایم سے بھی کسی نوع کی زیادتی نہیں چاہتے‘ بلکہ اللہ کے رسول ﷺ کے فرمانِ مبارک کے مطابق مظلوم کے ساتھ ساتھ ظالم کو ظلم سے روک کر اس کی مدد بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے حساس ادارے فاٹا میں حکومتی رٹ بحال کرانے کے لیے دن رات جنگ کر رہے ہیں۔ سندھ کے شہروں کی رٹ کب بحال ہوگی اور شہریوں کو ایک مافیا ایک متشدد گروہ سے کب نجات دلائی جائے گی؟

ہم برطانوی حکومت سے بھی عرض کریں گے کہ وہ بھی اپنی اداؤں پر غور کرے۔ الطاف حسین کی ریکارڈ پر موجود انتہائی اشتعال انگیز تقریروں کا وہ کب نوٹس لے گی؟ کیا یہ درست نہیں ہے کہ تحریک انصاف کی سینئر نائب صدر زہرہ شاہد حسین ان کی اس اشتعال انگیز گفتگو کی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں؟ برطانوی حکومت سے اہل پاکستان یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ اگر پاکستان میں بیٹھ کر کوئی شخص اہل انگلستان کو تشدد پر اکسائے تو کیا برطانوی حکومت خاموش رہے گی؟ حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی قانون پسندی اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے کا معاملہ صرف اپنی قوم اور اپنے وطن تک محدود ہوتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر سیاسی مفادات کے حصول کے لیے اہل یورپ بھی عدل وانصاف کا جنازہ نکالنا نیشنلزم کی ایک ضرورت سمجھتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ آزادی اور جرأت مندی کے دعوے دار میڈیا خصوصاً الیکٹرونک میڈیا پر ایم کیو ایم کا خوف بری طرح مسلط ہے۔ میڈیا الطاف حسین کی ایک ہی دھمکی پر ان کے گن گانے لگتا ہے۔ اس معاملے میں میڈیا کو بھی حقیقی جرأت کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔

آخر میں ہم انتخابات میں بری طرح شکست کھانے والی اور صوبہ سندھ تک محدود ہو جانے والی پاکستان پیپلز پارٹی کا ذکر ضروری سمجھیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بےنظیر کا نعرہ ’’جمہوریت بہترین انتقام ہے‘‘ کم از کم PPP کی حد تک بالکل درست نکلا ہے۔ جس جمہوریت کی زرداری کی قیادت میں پاکستان پیپلز پارٹی نے زندگی دوبھر کر دی تھی‘ اس جمہور نے انتخابات میں انہیں عبرتناک شکست سے دوچار کر دیا ہے۔ پنجاب‘ خیبر پختونخوا اور بلوچستان سے ان کا مکمل طور پر صفایا ہو گیا ہے۔ اگرچہ صوبہ سندھ کے دیہی علاقوں میں PPP کی دھاندلیوں کی خبریں ہیں‘ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں ابھی بھٹو اور بےنظیر کا سحر نہیں ٹوٹا۔ کرپشن‘ بیڈ گورننس اور عوامی ضروریات اور مطالبات سے لاتعلقی پاکستان پیپلز پارٹی کے زوال کا باعث بنی۔ یہ بات صدفی صد درست ہے کہ فوجی آمر تو اپنی بھرپور کوششوں کے باوجود پاکستان پیپلز پارٹی کا کچھ نہ بگاڑ سکے‘ لیکن صدر زرداری نے خود اس کا تیا پانچا کر دیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر PPP کو سندھ میں بھی زندہ رہنا ہے تو اسے ایم کیو ایم کا دامن جھٹک دینا چاہیے۔

مفاہمت کی پالیسی اگر کسی مستحکم اصول کی بنیاد پر ہو تو وہ سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔ بے اصولی کی بنیاد پر مفاہمتی پالیسی نے بھی PPP کو نقصان پہنچایا ہے۔ گزشتہ پانچ سال میں وہ ایم کیو ایم کے ہاتھوں تگنی کا ناچ ناچتے رہے اور مسلسل بلیک میل ہوتے رہے‘ لہٰذا اب جب کہ سندھ اسمبلی میں PPP حکومت سازی کے لیے کسی کی محتاج نہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ بھی ایم کیو ایم کے خلاف سٹینڈ لے‘ ان کی بھتہ خوری اور گن پوائنٹ سیاست کی کھل کر مخالفت کرے۔ ایم کیو ایم یہ سب کچھ صوبہ سندھ کے اقتدار میں حصہ دار بن کر کرتی ہے۔ اس مرتبہ انہیں اقتدار سے الگ رکھا جائے۔

الطاف حسین کی بوکھلاہٹ ظاہر کرتی ہے کہ کراچی میں ان کا سحر ٹوٹ رہا ہے۔ اسی لیے وہ ہسٹریا میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ ایم کیو ایم کے لوگ ہمارے مسلمان پاکستانی بھائی ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ راہ راست پر آ جائیں اور دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح سیاست کریں۔ خود زندہ رہیں اور دوسروں کو زندہ رہنے کا حق دیں۔ بھتہ خوری‘ بلیک میلنگ‘ بوری بند لاشیں اور ٹارچر سیلز کا سلسلہ ختم کریں۔ کراچی پر جتنا حق ان کا ہے اتنا ہی دوسرے پاکستانیوں کا ہے۔ کراچی کو الگ کرنے اور جناح پور بنانے کے منصوبے سے باز رہیں۔ ملک کے دوسرے حصوں کی طرح کراچی میں بھی انتخابات ہوں۔ چھوٹی موٹی دھاندلیاں تو اس جمہوریت کا تحفہ ہے‘ لیکن پولنگ اسٹیشن قبضہ سیاست اب مزید قبول نہیں کی جا سکتی۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ایم کیو ایم خود ہی سیدھا راستہ اختیار کر لے تاکہ کراچی مزید خون خرابے سے بچ جائے۔ جو بھی عوام کی خدمت کرے گا عوام اسے فراموش نہیں کریں گے۔ ہم ایم کیو ایم کو مشورہ دیں گے کہ وہ اپنی سیاست کا دائرہ کار پورے پاکستان میں بڑھائے۔ پاکستان ہم سب کا ہے‘ اس کی تعمیر اور ترقی کے لیے کوشش کرنا ہم سب پر فرض ہے۔

❁❁❁

فقیہ وقت، استاذ العلماء، ولی کامل
حضرۃ شیخ الحدیث
مولانا مفتی عبد المجید دین پوری شہید نور اللہ مرقدہ
رئیس دار الافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

کی یاد میں مجلّہ ’’صفدر‘‘ [گجرات]
خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے۔
جملہ اہل علم وقلم اپنے تأثرات، تعزیتی پیغامات، مضامین ومقالات اور اشعار ونظمیں دس (۱۰) شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ تک مندرجہ ذیل پتے پر ارسال فرمادیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

مولانا مفتی محمد شعیب عالم، جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی 0321-3767912
khadim.khan4@yahoo.com 0307-5687800

June 2013
Regd. CPL No. 115
vol. 62
No.6

Monthly **Meesaq** Lahore

بیسویں صدی عیسوی

میں صنم کدۂ ہند میں "احیائے اسلام" کی کوششوں پر ایک اہم تاریخی دستاویز

جماعتِ شیخ الہند اور تنظیمِ اسلامی

- ابوالکلام "امام الہند" کیوں نہ بن سکے؟
- "حزب اللہ" اور "دارالارشاد" قائم کرنے کے منصوبے بنانے والا "عبقری وقت" کانگرس کی نذر کیوں ہوگیا؟
- احیائے دین اور احیائے علم کی تحریکوں سے علماء کی بدظنی کیوں؟
- کیا اقامتِ دین کی جدوجہد ہمارے دینی فرائض میں شامل ہے؟
- حضرت شیخ الہند کیا کیا حسرتیں لے کر اِس دنیا سے رخصت ہوئے؟

علماءِ کرام اب بھی 'متحد' ہوجائیں تو 'اسلامی انقلاب' کی منزل دُور نہیں!

- فرائضِ دینی کا جامع تصور - رجم - عورت کی دیت اور دیگر مسائل پر

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی معرکۃ الآرا تحریروں اور خطبات کے علاوہ مؤرخ اسلام مولانا سعید احمد اکبر آبادی، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری، مولانا افتخار احمد فریدی، مہاجر کابل قاری حمید انصاری، پروفیسر محمد اسلم، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، مولانا محمد زکریا، مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور دیگر نامور علماءِ کرام اور اہلِ علم حضرات کی تحریروں پر مشتمل تاریخی مرقع

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے مبسوط مقدمے کے ساتھ

یہ کتاب کچھ عرصے سے آؤٹ آف پرنٹ تھی۔ اب اس کا نیا ایڈیشن جدید کمپیوٹر کمپوزنگ، خوبصورت ٹائٹل اور مضبوط جلد کے ساتھ زیورِ طبع سے آراستہ ہوگیا ہے!

ضخامت 620 صفحات قیمت 500 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

قرآن اکیڈمی، 36کے، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 3-35869501(042)
فیکس: 35834000(042) ای میل: maktaba@tanzeem.org
ویب سائٹ: www.tanzeem.org